تالیفات حکیم الامت تھانویؒ

تخریج و تعلیق: زیرِ نگرانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

12 خصوصیات جدید ایڈیشن

فہرست خطباتِ حکیم الامت

32

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ولادت: ۱۲۸۰ھ ...... وفات: ۱۳۶۲ھ

تخریج و تعلیق

مولانا احسان اللہ پشینی مدظلہ

فاضل و متخصص جامعہ دار العلوم کراچی

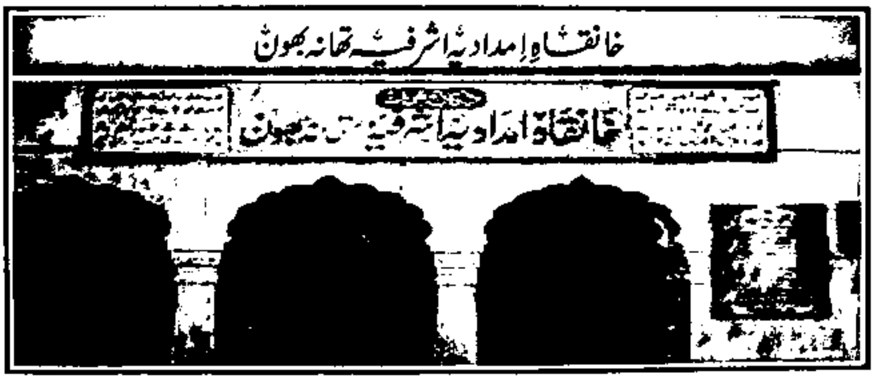

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738
061-4519240

فہرست خطباتِ حکیم الامتؒ

(12 خصوصیات کیساتھ جدید ایڈیشن)

خطبات حکیم الامت کی 31 جلدیں جو کہ 16 ہزار صفحات تقریباً 350 خطبات اور 8 ہزار عنوانات پر مشتمل ہیں۔
اس جلد میں جملہ خطبات کی اجمالی و تفصیلی فہرستیں شامل ہیں۔
علاوہ ازیں خطبات میں صاحبو! کے عنوان سے جو اہم نکات آتے ہیں وہ بھی ابتدائی 15 جلدوں سے منتخب مضامین دیئے گئے ہیں اور جواہرات حکیم الامت کے تحت تقریباً 20 اہم عنوانات مثلاً عقائد... نماز... حج... رمضان... روزہ... زکوٰۃ... سیرۃ النبی ﷺ علم و عرفان... شریعت کے اسرار و رموز حکمت و معرفت کا منتخب گنجینہ تصوف... اخلاق... باطنی تزکیہ کا دستور العمل... تصوف کی اصلاحات کی تشریحات اتباع سنت... حقوق العباد... فقہی مسائل... معاملات... آخرت سیاست... تعویذات و عملیات... لطائف و ظرائف... معاشرت کے تحت جملہ خطبات کے جو مندرجات جمع کیے گئے ہیں ان کی فہرستیں بھی اس جلد میں شامل ہیں جس سے مطلوبہ عنوان تک بآسانی رسائی ہو سکتی ہے

مرتب

محمد اسحاق ملتانی

(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

تالیفات حکیم الامت تھانویؒ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

Mob-0322-6180738 (-4519240

تالیفات حکیم الامت تھانویؒ

فہرست خطباتِ حکیم الامت

تاریخ اشاعت.........................ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
ناشر.........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.........................سلامت اقبال پرنٹنگ پریس...ملتان
بائنڈنگ.........................ابوذر بک بائنڈنگ....ملتان

قانونی مشیر
محمد اکبر ساجد (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

تصدیق نامہ.....حامِدًا وَّمُصَلِّيًا

انسانی ممکنہ کوشش کے مطابق ہم نے اس کتاب کو حرف بحرف پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب لفظی و اعرابی اغلاط سے پاک ہے۔ تاہم کوئی غلطی نظر آئے تو براہ کرم ادارہ کو مطلع کر کے اس کارِ خیر میں معاون بنیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

ازمصححین

مولانا قاری محمد ابوبکر رحیمی... مولانا فضل الرحمن... مولانا عبدالباسط

فضل الرحمٰن عفی عنہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات.........انار کلی.........لاہور
مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار.........لاہور
مکتبہ رحمانیہ.........اردو بازار......... لاہور
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی
اسلامک بک کمپنی.....امین پور بازار.....فیصل آباد
مکتبہ رشیدیہ.....سرکی روڈ.....کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ.....بہادر آباد.....کراچی
والی کتاب گھر.....گوجرانوالہ
مکتبہ علمیہ.....اکوڑہ خٹک

دارالاشاعت.........اردو بازار.........کراچی
قرآن محل.....کمیٹی چوک.....راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص...قصہ خوانی بازار.....پشاور
مکتبہ اسلامیہ.....امین پور بازار.....فیصل آباد
ممتاز کتب خانہ.....قصہ خوانی بازار.....پشاور
مکتبہ ماجدیہ.....سرکی روڈ.....کوئٹہ
مکتبہ عمر فاروق.....شاہ فیصل کالونی.....کراچی
مکتبہ نعمانیہ.....گوجرانوالہ
اسلامی کتاب گھر.....ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرضِ ناشر

تالیفات حکیم الامت تھانویؒ

پہلے مجھے پڑھئے!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِحَضْرَةِ الْجَلَالَةِ وَالنَّعْتُ لِخَاتِمِ الرِّسَالَةِ

امابعد! اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خطبات کا جدید ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔

اللہ کی توفیق سے ایک عرصہ سے ادارہ کی طرف سے "خطبات حکیم الامت" کی اشاعت جاری ہے۔ اللہ پاک ہمارے حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو جزائے خیر سے نوازیں جن کی توجہات اور نگرانی میں ان خطبات میں آنے والی احادیث مبارکہ کی تخریج و تعلیق کا کام ہوا۔ ماشاءاللہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی نگرانی میں مولانا احسان اللہ صاحب پشینی مدظلہ نے نہایت اچھے اسلوب میں تخریج و تعلیق کے ساتھ تصحیح وغیرہ کا کام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جملہ اکابر و احباب کو اپنی شایانِ شان اجرِ عظیم سے نوازیں جن کی دعائیں، توجہات اور علمی و عملی معاونت سے "خطبات حکیم الامت" کو جدید تخریج و تعلیق کے ساتھ بہتر انداز میں اشاعت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

اللہ پاک ادارہ کی جملہ خدمات کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے آمین۔

والسلام　　　　　　محمد اسحٰق غفرلہ

ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ بمطابق جنوری 2022ء

کلماتِ تحسین

از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

امابعد! حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے مواعظ [1] دین کی صحیح فہم، عمل مستقیم اور اصلاح نفس کیلئے ایک عظیم ذخیرہ ہیں جو علماء اور عوام دونوں کیلئے یکساں مفید ہیں اور ان کی افادیت سالہا سال کے تجربے سے مزید واضح ہوتی جاتی ہے۔ الحمدللہ! ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے حضرت کے مواعظ وملفوظات اور تصانیف کو شائع کر کے بڑی خدمت انجام دی ہے۔

مجھے یہ خواہش تھی کہ ان مواعظ میں جو احادیث آئی ہیں، نیز جو فقہی احکام بیان ہوئے ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے حاشیہ پر دیئے جائیں تا کہ اہل علم مواعظ کے مطالعے کے دوران ان حوالوں سے فائدہ اُٹھاسکیں۔ چنانچہ میری ایماء پر عزیز گرامی مولانا احسان اللہ پشینی (فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی) نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی قابلیت اور تتبع کے ساتھ نہ صرف احادیث وآثار بلکہ بہت سے واقعات کی بھی تخریج کر کے ہم جیسے طالب علموں کیلئے مواعظ کا فائدہ دوچند کر دیا ہے اور اب مولانا محمد اسحٰق صاحب مدیر ادارہ تالیفات اشرفیہ "مواعظ حکیم الامت" کو ان کی تخریج کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

میں نے مولانا احسان اللہ صاحب کا کام دیکھا اور دل سے دُعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ نیز مولانا محمد اسحٰق صاحب کیلئے دل سے دُعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن سے حکیم الامت قدس سرہ کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت کا کام لیتے رہیں اور اس کی بہترین جزاء عطا فرمائیں آمین۔

بندہ محمد تقی عثمانی (۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ)

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے یہ مواعظ اب "خطبات حکیم الامت" (32 جلد) کے نام سے شائع شدہ ہیں۔

خُطباتِ حکیمُ الاُمّت

کی ایک اور منفرد خصوصیت

تالیفات حکیم الامت تھانویؒ

صَاحِبُو!

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے جملہ خطبات ہی الہامی ہیں اور ہر دور کے عوام وخواص اور سلاسل اربعہ کے مشائخ وسالکین کیلئے ظاہر وباطنی کی اِصلاح کیلئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں بہت اہم اور ضروری بات ارشاد کرتے وقت سامعین کو صاحبو! کے بہت پیارے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔

آئندہ صفحات میں خطبات کی ابتدائی 15 جلدوں سے ایسی اہم باتوں کو جمع کر کے دیا جارہا ہے۔ یہ انتخاب گویا خطبات کا عطر اور جوہر ہے جس کی قدر قدردان ہی جانتے ہیں۔ (ناشر)

تالیفات حکیم الامت تھانویؒ

جلد نمبر...❶

ترجمہ قرآن اُستاد سے پڑھنا چاہیے

قرآن میں تو بڑے بڑے علوم یعنی عقائد وتزکیہ اخلاق وفقہ مذکور ہیں۔ جب تک ان کو نہ بیان کیا جائے اس کا مطلب حل نہیں ہوسکتا اور جو شخص ان علوم سے خود ہی واقف نہیں اور نہ کسی واقف سے پڑھتا ہے وہ اگر خالی ترجمہ دیکھے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ مرجیہ وقدریہ کا ہم عقیدہ ہوجائے کیونکہ ہر فن وہر کتاب کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں جو محض ترجمہ سے بدوں استاد کے بتلائے حل نہیں ہوسکتیں۔ یہ شخص قرآن کا مطلب ویسے ہی سمجھے گا جیسا کہ کسی شخص نے گلستاں کے اس شعر کا مطلب سمجھا تھا۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ۔۔۔ در پریشاں حالی و در ماندگی!

اس شخص نے بھی اس شعر کا محض ترجمہ دیکھا تھا کہ دوست وہ ہے کہ پریشان حالت وخستگی میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ اس نے ترجمہ ہی پر عمل کیا کہ ایک روز کسی موقع پر اپنے ایک دوست کو پٹتے ہوئے دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے' دشمن نے اور جی کھول کر اسے پیٹا۔ اس نے ہر چند ہاتھ چھڑائے مگر اس نے نہیں چھوڑے جب وہ خوب پٹ چکے اور مارنے والے نے بھی مار کر چھوڑ دیا تو اس دوست کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اسے بہت برا بھلا کہا کہ ایسے وقت میں امداد تو نہ ہوسکی اور اُلٹا دوستی کا یہ حق ادا کیا کہ میرے ہاتھ بھی پکڑ لیے۔ اب یہ حیران ہے کہ میں نے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کے موافق دوستی کا حق ادا کیا تھا۔ یہ خفا کیوں ہوتا ہے اور

اس سے کہا کہ بھائی! میں نے دوستی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی' میں نے تو وہی کیا جو گلستاں میں شیخ فرماتے ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

(دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے)

صاحبوا اس شخص نے ترجمہ میں کوئی غلطی نہیں کی تھی البتہ ایک کمی تھی کہ جائے استاد خالی است۔ اس نے ترجمہ خود ہی دیکھا تھا' کسی سے پڑھا نہ تھا۔ پس جب گلستاں سمجھنے کے لیے باوجود یہ کہ وہ کوئی بڑی علمی کتاب نہیں' محض ترجمہ دیکھنا بعض عقلاء کو غلطی میں ڈال دیتا ہے تو قرآن کا ترجمہ دیکھنا کیونکر کافی ہو جائے گا اور اس میں غلطی کا کیوں احتمال نہ ہوگا۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ترجمہ قرآن بھی بدوں پڑھے نہیں آ سکتا تو ترجمہ کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی' اس سے کیا نفع ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ترجمہ سے نفع یہ ہوا کہ آپ کو عربی صرف ونحو ولغت پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا یہ تھوڑا نفع ہے اگر ترجمہ نہ ہوتا تو پہلے صرف ونحو میں دماغ صرف کرنا پڑتا' پھر کہیں برسوں کے بعد اس قابل ہوتے کہ ترجمہ قرآن سمجھ سکیں۔ اب اتنی آسانی ہے کہ جیسا چاہو ترجمہ کسی مولوی سے شروع کر سکتے ہو۔ یہ تھوڑا نفع ہے باقی ترجمہ کرنے والوں کو یہ ہرگز مقصود نہیں کہ کسی سے پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

صاحبوا ذرا دنیا کے کاموں پر نظر کرو کہ ذرا ذرا سا کام بھی بدوں استاد کے بتلائے نہیں آتا۔ نجاری یعنی بڑھئی کا کام ذرا کوئی بدوں سیکھے کر تو لے یقیناً اپنے ہاتھ پیر کاٹے گا حالانکہ بارہا بڑھئی کو کاٹتے چھیلتے دیکھا ہوگا۔ وہاں کوئی نہیں کہتا کہ بس ہم نے طریقہ دیکھ لیا ہم بھی ایسے ہی کریں گے۔ ان باتوں میں ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ بھائی صرف دیکھ لینا کافی نہیں جب تک کہ باقاعدہ استاد سے نہ سیکھا جائے۔ افسوس قرآن کو ایسا معمولی کلام سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ترجمہ خود دیکھ لینا کافی ہو گیا۔

صاحبوا آپ کو اس سے تعجب ہوگا کہ میری عمر پچاس سال سے متجاوز ہو گئی

اور لکھنے پڑھنے کا اس عرصہ میں بہت ہی کام رہا مگر آج تک قلم بنانا مجھے نہیں آتا کیونکہ کسی سے سیکھا نہیں۔ یونہی الٹا سیدھا کاٹ چھیل کر کام چلا لیتا ہوں۔ جب خسیس سے خسیس فن بدوں استاد سے سیکھے نہیں آ سکتا تو ترجمہ قرآن کی بابت کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں بدوں استاد کے سمجھ لیتا ہوں اور جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کا امتحان اس طرح کرلیں کہ پہلے خود سارا ترجمہ قرآن دیکھ جائیں اس کے بعد کسی عالم سے پڑھیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد خود ہی اپنے کو جاہل کہیں گے اور معلوم کرلیں گے کہ محض ذہین ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (جلد 1، وعظ المراد، ص:16)

نیکیوں کی قدر

ان نیکیوں کی قدر ہم کو آخرت میں ہوگی کیونکہ یہ وہیں کا سکہ ہے وہاں آپ کے یہ روپے پیسے کام نہ دیں گے اور وہاں سب کو جانا ہے اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ جب بازار قیامت قائم ہوگا وہاں بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جو کہ وہاں کے سکے یعنی نیکیاں پلے باندھ کر لائے ہیں وہ تو بے تکلف ہر قسم کی راحت حاصل کرلیں گے۔ دوسرے وہ لوگ جو اپنی غفلت کی وجہ سے آخرت کو بھولے ہوئے تھے اور اس وجہ سے کچھ نیکیوں کا ذخیرہ ساتھ باندھ کر نہیں لائے ان کا یہ حال ہوگا۔

کہ بازار چند آنکہ آگندہ تر   تہی دست را دل پراگندہ تر

(جس طرح بازار طرح طرح کی چیزوں سے بھرا ہوگا اسی قدر تنگ دست شخص کا دل زیادہ پریشان ہوگا)

اس وقت آپ ان لوگوں کی قدر کریں گے جن کو آج مولویوں کا بگاڑا ہوا کہا جاتا ہے۔ اس دن وہ احمق جن کی حماقت پر آج کل کی نئی روشنی نے رجسٹری کردی ہے عاقل کہلائیں گے اس وقت حیرت ہوگی کہ یہ لوگ جن کو ہم ذلیل سمجھتے تھے بڑے باشوکت ہیں اور آج ہم ان کے آگے ذلیل ہیں۔

اہمیت اعمال

صاحبو! وہاں بجز اعمال صالحہ کے کچھ کام نہ آئے گا اور یہ بھروسہ نہ کرنا کہ ہمارے ماں باپ بہت نیک تھے ان سے کچھ نیکیاں بٹوالیں گے وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔

حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اور وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو جنتی ہے اور بدی زیادہ ہوں تو دوزخی ہے اور دونوں برابر ہوں تو چندے اعراف میں رکھا جائے گا۔ اس قاعدہ کے موافق اس شخص سے ارشاد ہوگا کہ اگر ایک نیکی کہیں سے تم کو مل جائے تو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ وہ شخص خوش ہوگا کہ میرے ماں باپ' بیوی بچے' دوست احباب بہت سے ہیں' کسی سے ایک نیکی کا مل جانا کیا دشوار ہے۔ چنانچہ وہ جائے گا اور جا کر باپ سے اپنی حالت عرض کرے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے' تم میرے باپ ہو' میرے حال پر رحم کرو' ایک نیکی دے دو۔

وہ صاف جواب دے دے گا کہ یہاں ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے تجھے ایک نیکی کیسے دے دوں' ماں بھی اسی طرح جواب دے گی' اولاد بھی ٹکا سا جواب دے گی' دوست احباب بھی دور کی سنائیں گے۔

آخر نہایت مایوس ہو کر لوٹے گا' راستہ میں ایک شخص سخی ملے گا جس کے پاس صرف ایک ہی نیکی ہوگی وہ اس سے پوچھے گا کہ میاں پریشان کیوں ہو رہے ہو' کیا بات ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میری پریشانی کا علاج ہو سکتا تو میں ظاہر بھی کرتا مگر اس کا علاج کسی سے نہیں ہو سکتا ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہے' ظاہر کرنے سے کیا فائدہ۔ ماں باپ' اولاد و اقارب' دوست احباب سب جواب دے چکے' تم کیا کرلو گے؟ وہ کہے گا تم اپنا حال تو کہو' شاید میں اس میں کچھ ساتھ دے سکوں۔

غرض بعد کلام بسیار یہ اپنا حال کہے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت تھی۔ وہ شخص

جواب دے گا کہ میرے پاس کل ایک نیکی ہے اور وہ میرے کسی کام کی بھی نہیں کیونکہ گناہ بہت زیادہ ہیں میں تو جہنم میں جاؤں گا یہ نیکی ہوئی تو کیا نہ ہوئی تو کیا' لے نیکی تو ہی لے جا' تیرے ہی کام آ جائے گی۔ یہ شخص حیران ہو گا کہ یا اللہ! یہ کون سخی ہے جو اس طرح بے خبر اپنی نیکی دے رہا ہے۔

صَاحِبُو! وہاں بھی یہ اہل دل ہی سخاوت کریں گے اور یہی مخلوق پر رحم کریں گے' ماں باپ کچھ کام نہ آئیں گے' غرض یہ شخص خوش ہو کر وہ نیکی لے کر لوٹے گا اور دربار الٰہی میں پیش کر دے گا وہ تو بموجب اس قاعدہ کے بخش دیا جائے گا کیونکہ نیکیاں غالب ہو گئیں۔ اس کے بعد اس سخی صاحب کو بلایا جائے گا کہ تم نے یہ کیا کیا کہ اپنی نیکی دوسرے کو دے دی کیا تم کو اپنی نجات کی فکر نہیں' وہ عرض کرے گا کہ الٰہی! میرے پاس صرف ایک ہی نیکی تھی۔ میں جانتا تھا کہ قاعدہ کے موافق تو میں جہنمی ہوں اور یہ نیکی میرے واسطے کار آمد نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر حق تعالیٰ اپنے فضل سے بخش دیں تو اور بات ہے مگر جب میری بخشش صرف فضل حق پر موقوف ہے اور میں اپنے عمل سے نہیں بخشا جا سکتا تو اس غریب کی بھی کیوں امید توڑوں۔ میں نے وہ نیکی اس مسلمان بھائی کو دے دی کہ اس کی تو مغفرت ہو جائے گی' میرا معاملہ رحمت حق کے سپرد ہے تو وہ شخص اپنی اس سخاوت پر بخش دیا جائے گا۔

صَاحِبُو! وہ عجیب دربار ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر بخشش ہو جاتی ہے۔ ایک اور شخص کا قصہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی ماسوائے کہ اس نے ایک دن راستہ میں سے کانٹا ہٹا دیا تھا جو ظاہر ہے کہ بہت ہی ذرا سی بات ہے مگر حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بھی قدر ہوئی اور اس کو اسی بات پر بخش دیا گیا۔

صَاحِبُو! نیک کام کو چاہے کتنا ہی ذرا سا ہو حقیر نہ سمجھو۔ بعض دفعہ ذرا سی بات قبول ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے عمل جن پر ناز تھا' رکھے رہ جاتے ہیں۔

(جلد 1، وعظ المراد، ص:19)

ارادہ کی قوت

صَاحِبُو!

انسان میں ارادہ وہ قوت ہے کہ اس کے ساتھ وہ تمام مخلوق پر غالب آ سکتا ہے۔

صَاحِبُو! تمہارے ساتھ دو لشکر ہیں ایک ملائکہ کا اور ایک شیاطین کا اور ان دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ ایک چاہتا ہے کہ تم کو بدی سے بچائے اور دوسرا چاہتا ہے کہ تم کو گناہ میں پھنسائے اور ان لشکروں کی ہار جیت تمہارے ارادہ پر موقوف ہے جس کی طرف تمہارا ارادہ ہو جائے وہی غالب ہو جائے گا۔ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کر لیا تو لشکر ملائکہ پسپا ہو گیا۔ اب وہ غالب نہیں ہو سکتا اور اگر گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لیا تو لشکر شیطان مغلوب ہو گیا۔ اب وہ کبھی غلبہ نہیں کر سکتا۔ افسوس! آپ میں اتنی بڑی قوت موجود ہے اور پھر آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑنے سے عاجز ہیں۔

ظلمت معصیت

صَاحِبُو! آپ عاجز ہرگز نہیں' ہاں یوں کہئے کہ ابھی تک چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا اور ارادہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں نہیں' گناہ کو ایک معمولی چیز سمجھ رکھا ہے اور جس گناہ کی عظمت دل میں ہے اس میں کسی طرح کی بھی کوئی تاویل منہ سے نہیں نکلتی کیونکہ دیکھئے گناہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کہ صرف شریعت مقدسہ میں حرام ہیں دوسرے وہ جو کہ قانون اور شریعت دونوں کے اعتبار سے ناجائز ہیں۔ بتلایئے! ان گناہوں میں آپ کیا برتاؤ کر رہے ہیں جو کہ قانون کی رو سے ناجائز ہیں اور موجب سزا ہیں۔ ظاہر ہے کہ سب اس سے اجتناب کریں گے' ڈاکہ کوئی نہیں مارتا' چوری شریف آدمی بالکل نہیں کرتے' یہاں تک کہ راستوں میں پیشاب تک نہیں کرتے کیونکہ قانوناً جرم ہے۔ کیوں صاحب اگر کوئی

ڈاکو کہنے لگے کہ میں اپنے عیال کو بدوں ڈاکہ کے پال نہیں سکتا تھا اس لیے کہ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے تو کیا حاکم اس کا یہ عذر قبول کر لے گا اور کیا اس کو سزا نہ دے گا؟ یا چور بھی عذر کرنے لگے تو کیا اس کو رہا کر دیا جائے گا؟ حاکم صاف کہہ دیتا ہے کہ ہم یہ باتیں نہیں سننا چاہتے تم نے خلاف قانون کام کیا ہے تم کو پھانسی دی جائے گی۔

اے اللہ کے بندو! ایک جواب حاکم دنیا کے سامنے نہیں چل سکتا۔ وہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرمانا چاہیے۔ آج کل لوگ بہت بے باک ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ صاحب کیا کریں' مجبور ہیں' بدوں سود اور رشوت کے خرچ نہیں چلتا اور علماء کو تنگ کرتے ہیں کہ اس مجبوری پر نظر کریں۔ ان کو بھی یہ حق ہے کہ ایک حاکم سلطنت کی طرح وہ بھی صاف جواب دے دیں کہ ہم نہیں جانتے خرچ چلے یا نہ چلے۔ شریعت مقدسہ نے اس کو حرام کیا ہے چھوڑنا پڑے گا ورنہ گنہگار ہو گے اور فاسق فاجر کے خطاب کے مستحق ہو گے۔ آج کل لوگ علماء کو مجبور کرتے ہیں کہ سود کے جواز کے فتوے دو اور یہ نہیں جانتے کہ اگر وہ جواز کے فتوے دے بھی دیں گے تو وہ بھی آپ ہی کے شمار میں ہو جائیں گے بلکہ ان کی آپ سے بھی زیادہ گردن نپے گی۔ بھلا کسی مولوی کے جائز کرنے سے کوئی حرام کام حلال ہو سکتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ عوام مسلمان جن کو ذرا شریعت کا پاس ہے ان مولوی صاحب ہی کو چھوڑ دیں گے۔

صاحبو! اول تو علماء اس کے ذمہ دار نہیں کہ آپ کا خرچ چلتا ہے یا نہیں۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم ہے اس کو ماننا پڑے گا۔ دوسرے یہ عذر بھی بالکل غلط ہے کہ ہم سے گزر نہیں ہو سکتا۔ گزر ہو سکتا ہے مگر فضولیات کو حذف کرو' فیشن نہ رکھو' کپڑا سستا پہنو' غرض جائز آمدنی کے موافق خرچ رکھو۔ دیکھو گزر ہوتا ہے یا نہیں مگر یہ فضولیات تو چھوڑتے نہیں' پھر کہتے ہیں کہ گزر نہیں ہو سکتا۔

یوں کہیے کہ سود اور رشوت کے بغیر عیش پرستی نہیں ہو سکتی اس کو ہم بھی تسلیم کریں گے مگر عیش پرستی کی فکر کی شریعت میں خود ممانعت ہے اس کی ذمہ دار شریعت کیوں کر

ہوسکتی ہے اور جس کو گزر کرنا ہو وہ حلال روزی میں یقیناً گزر کرسکتا ہے۔ البتہ ظاہراً اس میں لوگوں کی نگاہوں سے قدرے سبکی ہوگی۔ سواول تو یہ بھی خیال غلط ہے ایسے شخص کی قلوب میں بڑی وقعت ہوتی ہے۔ حکام بھی ایسے شخص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہم نے فرض کیا کہ سبکی ہی ہوتی ہے مگر اس کو گوارا کرنا چاہیے اور خیال کرنا چاہیے کہ اگر ہم سود یا رشوت لیں گے تو آخرت میں سبکی ہوگی۔ جب حشر کی سبکی کا خیال دل میں ہوگا اس سبکی پر نظر نہ جائے گی اور اس کی پرواہ بھی نہ ہوگی۔ واللہ! ہم لوگ آخرت کو بھولے ہوئے ہیں ورنہ یہ عذر بھی زبان پر نہ لاتے۔

صاحبو! یہ عذر آپ کا بدوں اس کے گزر نہیں ہوسکتا۔ اگر مان بھی لیا جائے تو یہ بھی صرف انہیں گناہوں میں چل سکتا ہے جن کے چھوڑنے میں آمدنی کا نقصان ہوتا ہے۔ جیسے سود یا رشوت۔ مگر پھر سوال یہ ہے کہ جن گناہوں کے چھوڑنے میں آمدنی کا نقصان نہیں ہوتا وہ کیوں کیے جاتے ہیں جیسے جھوٹ' غیبت' مسلمان آدمی کو خواہ مخواہ ستانا اور نظر بند۔ کیا نگاہ بد سے بھی کچھ غلبہ بڑھ جاتا ہے؟ جس کے چھوڑنے سے وہ مقدار غلہ کی کم ہوجائے گی۔ آخر ان گناہوں کے کرنے میں آپ کو کون سی مجبوری ہے؟ اور ان سے بچنے میں کون سا نقصان ہے؟ ان کو چھوڑنے میں آپ کیا عذر کریں گے؟ بلکہ احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں سے روزی کم ہوجاتی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے: "ان العبد لیحرم الرزق بخطیئۃ یعملھا" گناہ سے زندگی تلخ ہوجاتی ہے۔ گناہ کرنے سے راحت اور چین گنہگار کو نصیب نہیں ہوتا جبکہ اہل طاعت کے دل میں بے چینی کا نام نہیں ہوتا۔ جب دنیا ہی میں گناہوں سے یہ عذاب ہو رہا ہے پھر نہ معلوم گناہ کرنے میں کیا مصلحت ہے۔

واللہ! مسلمان کو تو گناہ کچھ بھی مزہ نہیں دیتا' کافر تو بے فکر ہو کر گناہ کرتا ہے کیونکہ اسے آخرت کا یقین نہیں مگر مسلمان کو تو گناہ کرتے وقت بھی مزا نہیں آتا۔ بار بار دل میں خوف خدا سے خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ شخص غفور الرحیم کے مضمون کو آڑ

بنا کر اس خطرہ کو ٹالتا ہے۔ غرض ایک کشمکش میں دل پڑ جاتا ہے پھر ایسی حالت میں گناہ کا کیا لطف کم بخت آئے گا؟ وہی مثل ہے گناہ اور بے لذت۔

اور اس بارے میں کہ اللہ غفور الرحیم ہے آج کل بالکل غلط معنی لوگ سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گناہ سے جو ضرر ہوتا ہے وہ ضرر بھی نہ پایا جائے۔ اگر غفور الرحیم ہونے کے یہ معنی ہیں تو کوئی صاحب ہمت کر کے سنکھیا تو کھالیں اگر غفور الرحیم ہونے کے یہی معنی ہیں کہ مضر شے کا ضرر زائل ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ سنکھیا کھالیں تو وہ بھی ضرر نہ کرے حالانکہ وہ ضرر ضرور کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ معنی اس کے نہیں، پس نہ معلوم گناہوں کی بابت یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ اس اعتقاد کے بعد وہ ضرر بھی نہیں کریں گے۔

صاحبو! گناہ کی ظلمت تو ضرور پیدا ہوگی اور اس ظلمت کے ساتھ دخول جنت مشکل۔ پس یا تو خدا بعد میں سچی توبہ کی توفیق دے اور یہ توبہ ایسی جرأت کرنے والوں کو بہت کم نصیب ہوتی ہے ورنہ اس ظلمت کو دور کرنے کے لیے عذاب جہنم موجود ہے۔ الا ان یرحم بفضلہ جب اعتقاد غفور الرحیم سے دنیا کا ضرر رفع نہیں ہوتا تو یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ اس اعتقاد سے آخرت کا ضرر مرتب نہ ہونا سمجھ لیا جائے۔ (وعظ المراد، جلد 1، ص: 27)

آخرت کو ترجیح دینے ہی میں راحت ہے

صاحبو! حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے سامنے دو گھر پیش کر دیئے ہیں ایک دنیا جو کہ اسی وقت مل سکتی ہے مگر بعد چندے چھین لی جائے گی اور خراب و خستہ و فانی بھی ہے۔ دوسرا گھر آخرت ہے جو عمدہ ہے اور باقی رہنے والا ہے یہاں آپ نے آخرت کو کیوں اختیار نہیں کیا؟ گزشتہ مثال میں تو ایک ماہ کی بھی مہلت تھی اور یہاں کچھ بھی میعاد نہیں۔ شاید "ہمیں نفس نفس واپسیں بود" (شاید یہی سانس تیری زندگی کا آخری

سانس ہو) زندگی کا کیا اعتبار ہے ایک منٹ کا بھی بھروسہ نہیں۔ طاعون کا حال معلوم ہے کہ کس طرح دفعۃً مخلوق کا صفایا کر دیتا ہے۔ کل کا مرنے والا آج کیا جانے کہ میں کب مروں گا وہ تو آج بہت کچھ امیدیں اپنے دل میں کرتا ہوگا مگر اسے موت کی کچھ بھی خبر نہیں کہ سر پر آ چکی ہے تو یہاں دنیا کی میعاد ایک مہینہ کیا ایک ہفتہ کیا ایک دن بھی نہیں ہے۔ ہر سیکنڈ میں خطرہ ہے کہ اسی وقت ختم ہو جائے تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایسا گھر جس کی اتنی کم میعاد ہو اور فنا ہونے والا ہو اور جس کی کوئی راحت بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ آپ نے اختیار کیا اور آخرت کو جس کے ملنے کے لیے ایک سانس کی دیر ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا اور اس میں راحت ہی راحت ہے۔ تکلیف کا نام بھی نہیں، آپ نے چھوڑ دی۔ حالانکہ اگر ایسی صورت کوئی دوسرا شخص آپ سے پوچھنے آئے تو آپ اس کو یہی رائے دیں گے کہ خراب، خستہ، فانی چیز ہرگز لینے کے قابل نہیں، میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ دنیا کو بالکل چھوڑ دیجئے، شکایت اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔ (جلد 1، وعظ المراد، ص: 31)

اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ضرورت

صَاحِبُو! ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں جو یوں نافرمانی پر کمربستہ ہوئے ہو، ایسے رحیم و کریم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرو اور اس کی محبت میں کوشش کرو۔ بس اب میں وہ ترکیب بتلا کر جس سے حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا ہو۔

اس کی ترکیب یہ ہے کہ سب سے پہلے علم دین بقدر ضرورت حاصل کرو کہ بدوں اس کے خدا تعالیٰ کی خوشی و ناخوشی کا پتہ نہیں چلے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کرو کہ آئندہ گناہ نہ کریں گے اور گزشتہ گناہوں سے سچی توبہ جو یہی ہے کہ آئندہ کے لیے پختہ عہد کر لیا جائے کہ اب گناہ نہ کریں گے، توبہ کے وقت عہد پختہ کرنا چاہیے۔

اس کے بعد اگر غلطی سے عہد ٹوٹ جائے تو توبہ پھر ایسی پختگی کے ساتھ کی جائے اور اس پختہ عہد کے بعد اگر پھر گناہ ہو جائے تو صلوٰۃ التوبہ کے ساتھ توبہ کرنی چاہیے۔ خالی زبانی توبہ پر اکتفا نہ کیا جائے کہ یہ علاج ہے نفس کا جس کی اب زیادہ ضرورت ہو گئی۔

ذرا چند روز اس کا التزام کر کے تو دیکھو کہ پھر گناہوں سے طبعی نفرت ہوتی ہے نہیں۔ بڑا مجرب نسخہ ہے اور نہایت سہل کہ جب گناہ ہو جائے تو وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ کر توبہ کی جائے' ہر گناہ پر ایسا ہی کیا جائے۔ آخر کار گناہ سے طبعی نفرت اور طاعت کی طبعی رغبت پیدا ہو جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی کسی کامل کی صحبت تلاش کرو' اہل اللہ سے ملتے رہو' ان سے اپنا حال کہو' دین میں ان سے مدد لو کہ صحبت کامل اکسیر اعظم ہے۔ یہ صحبت بجلی کی طرح اثر کرتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دنیا سے دل یکسو آخرت کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور سونے کے وقت دن بھر کے تمام کاموں کا حساب کیا کرو' جتنے گناہ ہو گئے ہوں ان پر نادم ہو کر استغفار کر کے سوؤ اور کچھ وقت تنہائی کا اللہ کی یاد کے واسطے نکالو۔ (جلد 1، وعظ: المراد، ص:42)

دُنیا کی حالت وحقیقت

صَاحِبُو! نہ مال اپنا ہے نہ بیوی اپنی ہے نہ بچے اپنے ہیں' ہم لوگ تو مزدور ہیں' چھکڑے کھینچ رہے ہیں جس میں بیوی' بچے' مال متاع لدا ہوا ہے۔ جب منزل پر پہنچ جائے گا' الگ کر دیئے جائیں گے۔..... **صَاحِبُو!** مزدور اور خادم اور مال مالک نہیں ہوا کرتا۔ پس ہم اصل حقیقت میں جب خادم ہیں تو مخدوم کیسے بن جائیں گے۔

اصل میں جب رعایا ہیں تو حاکم کیسے ہو سکتے ہیں۔ عبد ہیں مولیٰ نہیں ہیں' چھوٹے ہیں' بڑائی اس کا حق ہے' مقہور و مغلوب ہیں وہ قاہر و غالب ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الجاثیہ آیت نمبر ۳۷)

(اسی کیلئے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں)

ہر چیز امانت ہے

جب ان چیزوں کی یہ حالت ہے کہ کوئی اپنی نہیں' سب عاریت ہیں تو دوسرا حکم نہایت واضح ہو گیا۔ یعنی "ولها يجمع من لا عقل له" کہ اس دنیا کو وہ جمع کرے گا کہ جس کو عقل نہ ہو۔ اس لیے کہ پرائی چیزوں کو کوئی عاقل جمع نہیں کیا کرتا۔ اگر کوئی جمع کرتا ہے تو اس کو لوگ بے عقل کہتے ہیں اور کان پکڑ کر باہر نکال دیتے ہیں جیسے کسی کھیت میں پولوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ اس شخص نے اپنے سمجھ کر جمع کرنا شروع کر دیا تو ظاہر ہے کہ مالک آ کر اس کو ملامت کرے گا اور نکال دے گا۔ اس کو چاہیے تھا کہ اول تحقیق کرتا کہ یہ کس کے ہیں۔ اگر اس کے ثابت ہوتے تو جمع کرتا۔

پس جیسے یہ شخص بوجہ پرائی شے کے جمع کرنے کے بیوقوف ہے اسی طرح جو دنیا جمع کرے وہ احمق ہے۔ یہ حالت ہوئی دنیا کی۔ اب یہ سمجھو کہ دنیا اس مال کا نام نہیں' مال بے چارہ تو مفت میں بدنام ہو گیا ہے اس لیے کہ بعض مال اچھا ہے جیسے حلال مال اور بعض مال برا ہے جیسے رشوت' چوری کا مال۔

پس اگر دُنیا نفس مال کا نام ہوتا تو اس کی دو قسمیں کیسے ہوتیں۔ دنیا نام تعلق بغیر اللہ کا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق بڑھا کر بکھیڑوں میں پڑ کر' معاملات میں گھس کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا۔ پس یہ تعلق بغیر اللہ سب کے لیے برا ہے۔ بخلاف مال کے کہ کسی کے لیے اچھا' کسی کے لیے برا ایسے ہی اولاد بھی دنیا نہیں' ہاں قلب کا اس کے ساتھ اتنا تعلق جو غافل کر دے یہ دنیا ہے۔ (جلد 1، وعظ المراد، ص:52)

اولاد کا فتنہ

صَاحِبُو! آج کل کی اولاد تو بیشتر ایسی ہی ہے کہ وہ خدا سے غافل کرنے والی ہے۔ پس جس کے نہ ہو وہ شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے آزاد کیا ہے ان

کو تو چاہیے کہ وہ تو اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی یاد کریں۔ بعض عورتوں نے مرید ہونا چاہا تو میں نے ان سے شرط کی کہ دیکھو رسمیں چھوڑنا پڑیں گی' کہنے لگیں کہ میرے پچھ ہے ہی نہیں' بال نہیں' بچہ نہیں' میں کیا رسمیں کروں گی۔ میں نے کہا کہ کرو گی تو نہیں لیکن صلاح تو دو گی۔ یہ پرانی بوڑھیاں شیطان کی خالہ ہوتی ہیں' خود اگر نہ کریں تو دوسروں کو بتلاتی ہیں۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جن کی اولاد نہیں وہ خود تو کچھ نہیں کرتیں لیکن دوسروں کو تعلیم دیتی ہیں۔ کوئی پوچھے کہ اس کو کیا شامت سوار ہوئی ہے۔

اس کو تو یہ مناسب تھا کہ تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھ جاتی' کچھ فکر تو ہے نہیں' اللہ تعالیٰ نے سب باتوں سے فارغ کیا تھا' وقت کی قدر جانتی مگر یہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ بس یہ مشغلہ ہے کہ کسی کی غیبت کر رہی ہیں' کسی کو رائے دے رہی ہیں۔ گویا یہ بڑی بختی ہیں' بات بات میں دخل دیتی ہیں۔ یاد رکھو! زیادہ بولنے سے کچھ عزت نہیں ہوتی' عزت اسی عورت کی ہوتی ہے جو خاموش رہے اور اگر ساکت وصامت ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام لے تو اس کی تو بڑی قدر اور وقعت ہوتی ہے۔ مگر یہ باتوں کا تمبا کو کھانے کی جن کو عادت ہے یہ کیسے چھوٹ سکتی ہے خواہ ذلت ہو خواری ہو کوئی ان کی بات بھی کان لگا کر نہ سنے لیکن ان کو اپنی بڑ ہانکنے سے کام۔ بس عادت پڑ جاتی ہے جیسے نمرود کی جوتیاں کھانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ (جلد 1، وعظ الدنیا، ص: 54)

مرنے کا ہر ایک کو یقین ہے

اس پر مسلمانوں کا تو کیا کفار کا بھی عقیدہ ہے کہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ ملحد بھی اس کا قائل ہے جو نہ مبداء کا قائل ہے نہ معاد کا۔ سو یہ مضمون ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی میں تو بعضوں نے شک بھی کیا ہے مگر اس میں کسی کو شک نہیں' دنیا سے چلا جانا سب کو مسلم ہے۔ ملحد بھی اس کا قائل ہے بلکہ وہ تو ایسی موت کا قائل ہے جو اہل مذاہب کے اعتقاد سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اہل مذاہب تو موت کے بعد بھی حیات

کے قائل ہیں اوران کے نزدیک یہ موت دائمی اورابدی نہیں بلکہ منقطع ہونے والی ہے تو وہ موت کامل کے معتقد نہیں بلکہ ناقص کے قائل ہیں اور ملحد حیات ثانیہ کا قائل نہیں ہے تواس کے نزدیک یہ موت موبد (ہمیشہ کی موت) ہے جوکامل موت ہے۔

تو وہ ایسی موت کا قائل ہے جوموت کی بہت بڑی فرد ہے گووہ مقدر ہی ہے فرد محقق نہیں۔ غرض میرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اہل حق سے زیادہ موت کے قائل ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ خدا کے منکر موجود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر موجود فرشتوں کے منکر موجود ہیں مگر موت کا منکر کوئی نہیں ہے۔

صاحبو! جس چیز کے ملحدین تک بھی منکر نہیں اگر تمہارے اندر اس کے انکار کی کوئی امارت وعلامت پائی جائے تو یہ افسوس کی جگہ ہے یا نہیں۔ یقیناً بڑے افسوس کی بات ہے شاید تم یہ کہو کہ ہم کہاں منکر ہیں تو سنو! کہ زبان سے تو اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہم ہی کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

مگر علم کے مقتضا پر عمل نہیں

مگر اپنی حالت کو دیکھو کہ تمہاری حالت سے انکار ٹپکتا ہے یا نہیں اور تمہارے اندر علامات انکار ہیں یا نہیں۔ اس کو اس مثال سے سمجھو۔

دیکھو! اگر کوئی شخص آگ کا انگارہ ہاتھ میں لے لے تو یہی کہا جائے گا یہ شخص احراق (یعنی آگ کے جلا دینے کا) نار کا منکر ہے۔ اگر کوئی شخص سانپ کو پکڑنا چاہے تو یوں کہتے ہیں کہ شاید یہ سانپ کو جانتا نہیں ہے۔ چنانچہ اس پر وجوہ بلاغت اور نکات معنی متفرع ہوتے ہیں کہ سانپ پکڑنے والے سے کہتے ہیں دیکھ کیا کرتا ہے سانپ ہے سانپ۔ یعنی اس کے ساتھ اسی طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے منکر کے ساتھ کی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اپنے باپ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی کرے تو کہتے ہیں دیکھ تو تیرا باپ ہے باپ حالانکہ باپ کا باپ ہونا اسے بھی معلوم ہے۔ مگر پھر اس

سے یوں ہی کہتے ہیں کہ دیکھ یہ تیرا باپ ہے اہل بلاغت نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہاں تنزیل العالم بمنزلۃ الجاہل اور تنزیل المقر بمنزلہ المنکر ہے اور یہ قواعد ہر زبان میں جاری ہیں کیونکہ بلاغت کے جو اصول ہیں وہ سب عقلی ہیں جو کسی خاص زبان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر زبان میں موجود ہیں۔ (جلد 1، وعظ غریب الدنیا، ص:63)

صاحبو! اگر ہم کو وہ حالت نصیب ہو جائے جو طاعون کے زمانہ میں تھی تو پھر اس کا لطف ہم کو خود معلوم ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں چاہتے کہ تم دنیا کے کاروبار چھوڑ کر بیٹھ جاؤ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ سب کام کرو مگر دل کی حالت وہ ہو جو طاعون کے زمانہ میں ہوتی ہے کہ آدمی سب کام کرتا ہے مگر دل کسی کام میں نہیں ہوتا' دنیا سے تعلق اور لگاؤ نہیں ہوتا۔ بتلایئے ! اس زمانہ میں ضروری کام کون سا چھوٹ گیا تھا' ایک بھی نہیں۔ ہاں لغویات اور گناہ کے کام البتہ کم ہو گئے تھے' بس آپ کا مقصود یہ ہے کہ عمر بھر اسی طرح رہو۔ حدیث میں ہے:

يَا عَبْدَ اللّٰهِ إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ ○

اے عبداللہ بن عمر! جب تم صبح کرو تو اپنے دل میں شام کا خیال نہ لاؤ اور جب شام کرو تو صبح کا خیال نہ لاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت امانی محضہ نہ پکاؤ کہ شام کو یوں کریں گے تو صبح کو یوں کریں گے کیونکہ الحدیث یفسر بعضہ بعضا اور دوسری حدیث میں اس قید کی تصریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ" اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لایعنی اُمور کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ضروری اور مفید امور کا ترک ضروری نہیں تو اس میں ضروری خیالات کی بھی اجازت ہے۔ مثلاً کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو اس کی بابت تحدیث النفس جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اس کے ادا کی تدبیریں سوچے' یہ ممنوع نہیں بلکہ ممانعت اس کی ہے کہ شیخ چلی کی طرح خیالی منصوبے پکائے۔ (جلد 1، وعظ غریب الدنیا، ص:67)

زہد فی الدنیا کے درجات

زہد فی الدنیا کے چار درجے ہیں۔ گو مشہور تو تین ہی درجے ہیں مگر میرے قلب پر اس وقت ایک درجہ اور آیا ہے جو فی نفسہ بزرگوں کے کلام میں مذکور ہے مگر اس سلسلہ میں مذکور نہیں تھا۔ ایک درجہ علم کا' ایک عمل کا' ایک حال کا۔ یہ تو مشہور ہیں اور ایک میں نے بڑھایا ہے کیونکہ حال کی دو قسمیں ہیں۔

ایک حال راسخ ایک حال غیر راسخ۔ تو میں نے حال میں تفصیل کی ہے کہ ایک درجہ حال غیر راسخ کا اور ایک درجہ حال راسخ کا جس کو سہولت ضبط کے لیے مقام سے تعبیر کرنا چاہیے اور حال غیر راسخ کو صرف حال کہنا چاہیے تو اب چار درجے یوں ہوئے۔ ایک درجہ علم کا' ایک عمل کا' ایک حال کا' ایک مقام کا اور اس کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ لوگوں کو اس میں دھوکا ہو جاتا ہے' بہت لوگ حال راسخ کو کافی سمجھتے ہیں اور حال غیر راسخ بمعنی کیفیت غیر دائمہ کچھ کمال نہیں۔ یہ تو اکثر کو پیش آ جاتا ہے۔ اب اگر اسی پر درجات کا خاتمہ کر دیا جائے جیسا کہ تقسیم مشہور میں ہے تو لوگوں کے نزدیک یہی منتہی ہوگا حالانکہ یہ کچھ معتد بہ نہیں جب تک کہ راسخ نہ ہو۔

ابلیس کی غلطی کا راز

صاحبو! حالات غیر راسخہ اور کیفیات کو منتہی سمجھنے ہی سے بہت لوگ تباہ ہو گئے ہیں۔ بلعم باعورا اور ابلیس وغیرہ اسی غلطی میں تباہ ہوئے۔ ان لوگوں کو کچھ سرسراہٹ اور کیفیت محسوس ہو گئی تھی۔ بس انہوں نے اسی کو منتہی سمجھ لیا اور اس کے بعد مجاہدہ نفس سے اپنے کو مستغنی سمجھ لیا۔ نفس کی اصلاح کے درپے نہ رہے اس سے غافل ہو گئے' آخر کار تباہ ہوئے کیونکہ ان کا نفس ہنوز زندہ تھا۔ یہ کیفیات جو مجاہدہ سے اس میں پیدا ہوئی تھیں درجہ مقام پر نہ پہنچی تھیں اور اس غلطی میں اب بھی لوگ تباہ

ہو رہے ہیں۔ مثلاً کسی میں خوف خشیت کا کچھ اثر پیدا ہو گیا دو چار دفعہ رونا آ گیا یا محبت و معرفت کے آثار پیدا ہو گئے یا ذکر اور صحبت شیخ سے ایک قسم کا مشاہدہ حاصل ہو گیا۔ یہ اس کو منتہی سمجھ گئے اور آئندہ کے لیے مجاہدہ و سعی کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں میں کورے کے کورے رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ حال غیر راسخ تھا اس کی بقا کے لیے سعی کی ضرورت تھی۔ (جلد 1، وعظ غریب الدنیا، ص:72)

علم پر ناز نہ کرو

صاحبو! محض علم پر ناز نہ کرو بلکہ علم کا اہتمام کرو تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دنیا کا فانی ہونا معلوم ہے مگر عمل اور برتاؤ ایسا ہے جیسا باقی رہنے والی شے کے ساتھ ہوا کرتا ہے تو ان کا یہ اعتقاد کافی نہیں بلکہ کالعدم ہے اس کے بعد دوسرا درجہ عمل کا ہے کہ دنیا کے متعلق اعتقاد فنا رکھ کر عمل بھی اس کے ساتھ وہی ہے جو فانی کے ساتھ ہوا کرتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ تکلف اور مشقت کے ساتھ تعلقات کو کم کرتے ہیں۔ دل میں تعلقات سے نفرت نہیں۔ یہ درجہ بھی ناکافی ہے کیونکہ جب دل میں تعلقات دنیا سے نفرت نہیں تو اندیشہ ہے کہ اگر ان سے کسی وقت مجاہدہ میں کمی کر دی تو تعلقات دنیا میں پھنس جائے گا۔ اس لیے حال کی ضرورت ہے کہ فنائے دنیا کا قلب سے مشاہدہ ہو جائے اور دل میں تعلقات دنیا سے نفرت پیدا ہو جائے پھر بھی نہیں کہ ایک دفعہ وعظ سن کر یا ذکر میں مشغول ہو کر تھوڑی دیر کے لیے تعلقات سے نفرت ہو جائے' نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ یہ حال راسخ ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے تعلقات دنیا سے قلب کو الجھن ہونے لگے۔ یہ مقام کا درجہ ہے' یہ ہے مطلوب اور منتہیٰ' اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا سے ایسا برتاؤ کرو جیسا مسافر کیا کرتا ہے' یعنی عملاً بھی اور حالاً بھی۔ عملاً تو اس طرح کہ جیسے مسافر سفر میں محض ضروریات پر اکتفا کیا کرتا ہے۔ فضول اسباب ساتھ نہیں لیا کرتا' ایسے ہی تم دنیا کے ساتھ عمل کرو کہ قدر ضرورت

پر اکتفا کروُ زائد از ضرورت سامان کی فکر میں نہ پڑو مگر قسمت سے ہمارا تو سفر مثل حضر ہی کے ہوتا ہے۔ ہم اس میں بھی فضول سامان بہت ساتھ لیتے ہیں مگر پھر بھی حضر کی نسبت سے کچھ اختصار ضرور ہوتا ہے تو خیر آپ اتنا ہی کرلیں کہ اپنے سفر جیسا ہی اختصار کرلیا کریں۔ دیکھئے! یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک تعلقات دنیا کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ ان میں اختصار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

واللہ! اگر تمام عارفین اور عقلاء وحکماء جمع ہوکر زہد فی الدنیا کے مضمون کو بیان کرتے تو اس حقیقت تک کبھی نہ پہنچ سکتے وہ تو بس یہی کہتے کہ دنیا کو بالکل ترک کردو اور اگر ترک کی تعلیم نہ کرتے تو اس کی کوئی حد معین نہ کرسکتے کہ دنیا کے ساتھ کتنا اور کیسا علاقہ رکھنا چاہیے۔ قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ دو لفظوں میں آپ نے کتنے بڑے مضمون کو حل فرمایا۔

کن فی الدنیا کانک غریب (دنیا میں مسافر کی طرح رہو)

جس میں یہ بھی بتلادیا کہ دنیا میں رہ کر اس سے بالکل بے تعلق ہونا تو دشوار ہے۔ دنیا میں رہ کر آسمان پر اڑنے کی فکر نہ کرو بلکہ دنیا ہی میں رہو۔ آگے "کانک غریب" میں حد مقرر فرمادی مگر دنیا سے اتنا ہی علاقہ رکھو جتنا مسافر کو راستہ یا سرائے سے علاقہ ہوا کرتا ہے۔ (جلد 1، وعظ غریب الدنیا، ص: 80)

مقصود حال نہیں اعمال ہیں

صَاحِبُو! حال پیدا کروُ بدوں حال کے کام نہیں چل سکتا۔ گو حال مقصود نہیں بلکہ مقصود اعمال ہیں اگر بدوں حال کے بھی آدمی عمل پر جمار ہے تو کامیاب ہوجائے گا مگر بدوں حال کے عمل پر استقامت دشوار ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ریل کو آدمی ٹھیلتے ہوں۔ آخر کہاں تک ٹھیلیں گے تھوڑی دور چل کر رہ جائیں گے۔ پھر کچھ بھی حرکت نہ ہوگی اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن کی اسٹیم گرم ہو اور وہ

ریل کو لئے جارہا ہو اب وہ بدوں روکے ہوئے تھوڑا ہی رکے گا۔ اگر اس کے روکنے کو راستہ میں لکڑ اور پتھر بھی رکھ دو گے تو وہ سب کو پھینک پھانک چل دے گا۔

(جلد 1، وعظ غریب الدنیا، ص:94)

علم دین کی بے قدری

صَاحِبُو! علم دین کو ہم نے خود ذلیل کیا ورنہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ دربار دہلی میں جب بادشاہ کے سامنے علماء گئے ہیں تو ان کو دیکھ کر بادشاہ خود جھک گئے۔ افسوس ہے کہ دوسری قوم کے لوگ تو عزت کریں۔

بادشاہ کی یہ حالت تھی کہ والیان ریاست کے سامنے اس نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور علماء کو دیکھ کر جھک کر ان سب کی تعظیم کی۔ اب بتلایئے کہ ان کے پاس کیا چیز تھی' کونسا ملک تھا۔ صرف یہ بات تھی کہ یہ عالم ہیں' دین کے پیشوا ہیں لیکن اگر ہم خود ہی بے قدری کرائیں تو اس میں کسی کا کیا قصور۔ یہی حالت ہوگئی ہے پیروں کی کہ طمع سے ان کی بھی سخت بے قدری ہوگئی ہے۔

مجھے ایک گنوار کا واقعہ یاد آیا کہ فصل پر جب کمیوں کا اناج نکالنے بیٹھا تو گھر والوں نے سب کو شمار کیا' دھوبی کو بھی' خاکروب کو بھی اور یہ بیٹھا سنتا رہا۔ جب سارے کمیوں کا نام سن چکا تو کہنے لگا کہ اس سسرے پیر کا بھی تو نکال دو۔

مگر یہ پیر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ موضع مساوی کے بعضے لوگ قاضی صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے تھے۔ پھر خاندانی پیر صاحب کو جب خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ اچھی بات ہے۔ دیکھو! میں بھی تمہیں پل صراط پر سے دھکا دوں گا تو ایسے پیر ہیں ہی اس قابل۔ علیٰ ہذا البعضے علماء بھی ایسے ہونے لگے ہیں۔

ایک سب جج پرانی وضع پرانی روشنی کے ایک مقام پر بدل کر آئے۔ انہوں نے چاہا کہ وہاں کے رؤساء سے مل آئیں۔ ایک رئیس صاحب کے پاس پہنچے تو وہ دور ہی

سے صورت دیکھ کر گھر میں چلے گئے۔ انہوں نے خادم کے ذریعے سے کہلا بھیجا کہ میں فلاں شخص ہوں۔ آپ سے ملنے کو آیا ہوں' نام سن کر وہ رئیس صاحب باہر آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ کا عبا دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ کوئی مولوی صاحب ہیں جو چندہ لینے کی غرض سے آئے ہیں۔ یہ خیالات ہیں عوام کے علماء کے متعلق مگر اس میں زیادہ قصور ان عوام کا نہیں بلکہ ایسے مولویوں کا ہے کہ انہیں نے اپنے افعال سے عوام کے خیالات کو خراب کیا۔ اگر علماء اس سے پرہیز کرتے تو عوام کو بھی ایسی جرأت نہیں ہو سکتی یہ تو اہل علم کی غلطی تھی۔ (جلد ۹، وعظ الرضا بالدنیا، ص:109)

دُھن پیدا کرنے کے طریقے

صاحبو! دُھن پیدا کرو اور یہ سمجھ لو کہ ہر چیز کے حاصل ہونے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ دھن پیدا ہونے کے بھی طریقے ہیں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ مراقبات کرو' اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو' ذکر کرو' ہم کو چاہیے کہ شب و روز سوچا کریں۔

افسوس! ہمیں کچھ سوچ نہیں ہے' اگر عادت سوچ کی ہو جائے تو سب مرحلے طے ہو جائیں' ہم میں جو عمل کرنے والے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ وقت نکال کر کثرت سے وظائف پڑھتے ہیں' نوافل پڑھتے ہیں' میں پوچھتا ہوں کہ جیسا ان کے لیے وقت نکالا ہے آیا سوچنے کے واسطے بھی کوئی وقت رکھا ہے جس میں آخرت کی باتوں کو سوچا کریں کہ مابعد الموت کیا پیش آنے والا ہے؟ قبر میں کیا ہوگا؟ میدان آخرت میں کیا کیفیت ہوگی؟ پل صراط پر کیا حالت ہوگی؟ حق تعالیٰ کے روبرو جانا ہوگا؟ صاحبو! عذاب کو سوچو ثواب کو سوچو۔

قرآن شریف میں فکر کے مختلف طریقے بتلائے گئے ہیں۔ کہیں جنت کا ذکر ہے کہیں دوزخ کا حال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طبائع مختلف ہیں کسی کو عذاب کے سوچنے سے نفع ہوتا ہے کسی کو جنت کی نعمتوں کا خیال کرنا سودمند ہے۔

ایک شخص کا قصہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ موت کے سوچنے سے دل گھبراتا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر موت کے سوچنے سے دل گھبراتا ہے تو حیات کو سوچو کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے۔

صاحبو! دنیا اور آخرت کی مثال روپیہ اور اشرفی کی سی ہے۔ مثلاً ایک شخص اشرفی لے کر نکلا' دوسرا شخص راستہ میں ملا' اس کے پاس چمکدار روپیہ تھا' وہ اس سے کہنے لگا کہ اگر تم کہو تو یہ چمکدار روپیہ تم کو دے دوں اور اشرفی میں لے لوں' اشرفی والے کو اشرفی کا رنگ روپیہ کے سامنے اچھا معلوم نہ ہوتا تھا اور روپیہ وزن میں بھی زیادہ تھا' اس لیے بدلنا چاہا' اس حالت میں کسی نے اس سے کہا کہ میاں! دھوکا مت کھانا' روپیہ اگرچہ بہ نسبت اس کے چمکدار اور وزن میں زیادہ ہے مگر اشرفی اٹھارہ روپیہ کو بکتی ہے۔ اب اس نے سوچا کہ جب یہ صورت ہے تو میں روپیہ کو لے کر کیا کروں گا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں یہ شخص مبادلہ پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ یہ نتیجہ ہوا سوچنے کا۔

سوچنے کو علم حقیقت لازم ہے جب آدمی سوچتا رہتا ہے تو حقیقت معلوم ہو ہی جاتی ہے۔ بس جب کوئی دنیا اور آخرت کو سوچے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کوئی چیز نہیں' روپیہ اور اشرفی کی بھی نسبت نہیں' یہ جو قرآن شریف میں ہے کہ

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (البقرہ آیت نمبر ۲۱۹'۲۲۰)

''تا کہ تم دنیا و آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔''

کہ فکر کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں اس فکر فی الدنیا کی کسی نے کیا اچھی تفسیر کی ہے کہ دنیا کی تکالیف اور دنیا کی لذات میں غور کرے کہ یہاں کی لذات سب ایک دن فنا ہو جائیں گی اور دنیا کی زندگی تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور فکر آخرت سے اس کا عکس ثابت ہوگا۔ اس مجموعہ کے سوچنے سے دنیا کی بے قدری ہوگی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھے گی۔ جب دونوں کا موازنہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا لاشے محض ہے۔ اور اس مراقبہ سے دنیا کی تکالیف میں بھی کمی ہوگی

کیونکہ جب سوچے گا کہ دنیا میں بالفعل اگرچہ تکالیف ہیں مگر یہ ایک روز فنا ہو جائے گی اور آخرت میں راحت ہی راحت ہے تو وہ تکالیف نہ معلوم ہوں گی اس لیے میں نے اس ذاکر سے کہا کہ جب موت کے تفکر سے جی گھبراتا ہے تو حیات کا تفکر کرو۔ حق تعالیٰ نے ہر شخص کے مناسب سوچنے کی چیزیں بتلا دی ہیں مگر افسوس ہمارا کوئی وقت سوچنے کے لیے فارغ نہیں۔ (جلد 1، وعظ الاطمینان بالدنیا، ص:125)

دُنیا سے غفلت

ہماری حالت ایسی ہے جیسے ایک چمار کی حکایت ہے کہ کسی نے اس کے جوتا مارا تو وہ کہتا ہے اب کے تو مار۔ اس نے پھر مارا تو پھر بھی کہا کہ اب کے تو مار۔ غرض وہ مارتا رہا اور یہ برابر یوں ہی کہتا رہا اب کے تو مار۔ اس طرح ہم بھی رات دن فنائے دنیا کے واقعات دیکھتے رہتے ہیں مگر اپنی فنا سے غافل ہیں۔ گویا بزبان حال یوں کہتے ہیں کہ اب کے تو موت آئے اب کے تو طاعون آئے۔

صاحبو! مشاہدہ سے زیادہ کیا ہوگا جب مشاہدہ سے بھی ہماری غفلت کا پردہ نہ اٹھا تو کب اٹھے گا۔ یہ غفلت تو ہماری زوال دنیا کے متعلق ہے جو مشاہدہ ہے۔

بقائے آخرت سے غفلت

رہا بقائے آخرت تو ہر چند کہ وہ مشاہدہ نہیں مگر اعتقادی مسئلہ ہے اور اعتقادیات کا دل میں مضبوطی کے ساتھ جما رہنا ضروری ہے اور جو بات دل میں جمی ہوئی ہو اس سے اجنبیت نہ ہونا چاہیے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ جب کوئی یہ کہے کہ تم مرو گے اور خدا کے سامنے جاؤ گے۔ قبر میں سوال جواب ہوگا' قیامت میں نامہ اعمال سامنے ہوگا تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواب دیکھ رہے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ جس چیز کا درجہ حال میں جما ہوا ہونا چاہیے تھا وہ ایسی ہوگئی جیسے خواب ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ ناصحین سے الجھتے ہیں اور بعضے تو بے دھڑک کہہ دیتے ہیں۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے!

اور جوان سے ذرا اچھے ہیں وہ ناصحین کی نصیحت کے جواب میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ میاں اللہ غفور الرحیم ہے آخرت کی فکر کہاں تک کریں' اللہ تعالیٰ سب بخش دیں گے۔ گویا ان کے نزدیک آخرت میں فقط ایک ہی جزو کا ظہور ہوگا دوسرے جزو کا یعنی عذاب کا ظہور نہ ہوگا۔ کیوں صاحب! جہاں یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ بخش دیں گے وہاں یہ خطرہ کیوں نہ ہوا کہ شاید کسی بات پر پکڑ ہونے لگے' شاید دوزخ میں بھیج دیئے جائیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ حالت تھی کہ کام بہت کر کے بھی ڈرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ ہم نے جو اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں ان کا اجر تو ہمارے واسطے سالم رہے اور جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیے ہیں ان پر گرفت نہ کی جائے چاہے ثواب بھی نہ دیا جائے تو حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو اعمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں ان کا اجر بھی سالم رہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئے ہیں ان کا ثواب بھی ملے کیونکہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت کام کئے ہیں۔

اور ظاہر میں یہ بات صحیح بھی تھی کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زیادہ تر فتوحات وغزوات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدت خلافت میں جس قدر فتوحات ہوئی ہیں کہ اسلام مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔ ان سے پہلے اس قدر فتوحات نہیں ہوئیں۔

مگر باوجود اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بھائی میں تو اس پر راضی ہوں کہ جو اعمال ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں وہ سالم رہیں اور ان کا ثواب ہم کو مل جائے اور جو اعمال بعد میں کئے ہیں ان سے برابر سرابر چھوٹ جائیں کہ گرفت ہی نہ ہو' تو غنیمت ہے' ثواب تو کیا ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو جوان اعمال پر ثواب کی امید ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے تھے تو وہ بھی اس لحاظ سے نہ تھی کہ وہ اپنے اعمال ہیں بلکہ محض اس وجہ سے امید تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ٹھیک ہو گئے ہیں۔ ان میں خلوص و نورانیت وغیرہ حضورؐ کی برکت سے آ گیا تھا۔ (جلد 1، وعظ الفانی، ص: 151)

عورتوں کے دُنیاوی انہماک

صاحبو! یہ ساری مستیاں اور یہ سارے قاعدہ اس واسطے ہیں کہ یہ یاد نہیں ہے کہ ایک دن ہم یہاں نہ ہوں گے۔ اسی لیے مجھے تو عورتوں کا تقریبات میں جانا بھی مضر معلوم ہوتا ہے۔ خاص کر کپڑے بدل بدل کر جانا تو بہت ہی اوچھا پن ہے۔

بھلا اس کی کیا ضرورت ہے کہ بچوں کو بھی بڑھیا قیمتی کپڑے پہنائے جاتے ہیں چاہے وہ ان میں ہگ ہی دیں۔ پھر لڑکیوں کو زیور سے ایسا لادا جاتا ہے کہ سر سے پیر تک زیور ہی زیور ہوتا ہے۔ پھر وہ ناسمجھ بچی ہے تقریبات کے ہنگامہ میں بعض دفعہ وہ زیور کو نکال کر موقع بے موقع ڈال دیتی ہیں پھر اس کی تلاش میں تکلیف الگ ہوتی ہے اور جی برے بھلے الگ ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں میں بدگمانی کا بہت مادہ ہے فوراً کسی کا نام لے دیتی ہیں کہ یہ کام اس کا ہے اس لیے باہر پھرنے والی بچی کو جو کہ ناسمجھ بھی ہو زیور پہنانا بڑی غلطی ہے۔ مگر عورتوں کو اس کا خبط ہے اور غضب یہ کہ بچیوں کو بھی اس کا شوق ہوتا ہے۔ اگر ان کے ناک کان نہ بندھوائے جائیں تو روتی ہیں اور ضد کر کے بندھواتی ہیں چاہے تکلیف ہی ہو مگر خوشی خوشی اس کلفت کو گوارا کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی اپنے مطلب کی عقل تو ہوتی ہے مگر اس کو خرچ کرتی ہیں دنیا میں دین میں خرچ نہیں کرتیں۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ عملاً بھی کوتاہی ہے اور حالاً تو بہت ہی کوتاہی ہے کیونکہ جب

عمل نہیں تو حال کہاں سے آئے۔ حال اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کی طرف ایسا خیال جم جائے کہ وہی ہر دم خیال میں رہے جس کو عارف جامی اس طرح بیان فرماتے ہیں:

بسکہ درجان فگار و چشم بیدارم توئی ہرکہ پیدامی شود از دور پندارم توئی

(میری چشم و جاں میں تو ہی سمایا ہے جو کچھ دور سے ظاہر ہوتا ہے تجھ کو گمان کرتا ہوں)

اور اس کی ایسی مثال ہے جو عورتوں کے مناسب ہے کہ جس وقت ان کو کسی کے آنے کا انتظار ہوتا ہے تو ہر وقت دروازہ کی طرف دھیان رہتا ہے جہاں کسی کی آہٹ سنی اور یہی خیال ہوا کہ وہ آیا۔ سمجھو کہ خدا نے عمل میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس سے آخرت کا شوق ہو جاتا ہے جس سے ہر وقت اسی کا خیال رہتا ہے۔

اس کو حال کہتے ہیں حال کی دوسری مثال عورتوں کے لیے اور ہے یعنی تمبا کو کیونکہ عورتوں پر کچھ بلائیں تو قدرتی ہیں ناک میں اور کان میں اور ہاتھ گلے میں زیور اور ہار اور طوق وغیرہ مگر منہ کے اندر کا حصہ بچا ہوا تھا' اس میں کوئی زیور نہ تھا تو کیسے بچتا۔ اس کے لیے انہوں نے تمبا کو اور پان تجویز کیا ہے جس سے پہلے پہل تو تکمیر ہوتی ہے پھر ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ ذرا دیر ہو جائے تو اسی میں دھیان لگا رہتا ہے۔ ایسا شوق ہو جاتا ہے کہ نہ ملنے سے پریشانی ہوتی ہے۔ (جلد 1، وعظ الفانی، ص:164)

کسب دُنیا و حب دنیا کا فرق

صاحبو! جب حق تعالیٰ کے کلام سے سبب کفر معلوم ہو گیا تو اس کو خفیف نہ سمجھو اور اس کے ادنیٰ درجہ سے بھی نکلنے کی پوری کوشش کرو اور میں کسب دُنیا سے منع نہیں کرتا بلکہ حب دُنیا سے منع کرتا ہوں کیونکہ یہی جڑ ہے تمام جرائم کی۔

"حب الدُنیا راس کل خطیئة"

آج کل تو تعلیم یافتہ جماعت کسب دُنیا و حب دُنیا میں فرق نہیں کرتی جس کی وجہ سے وہ دو غلطیوں میں مبتلا ہیں۔

ایک تو علماء کے کلام میں دنیا کی مذمت دیکھ کران پر طعن کرنے لگے کہ یہ لوگ کسب دنیا سے منع کرتے ہیں حالانکہ نصوص شرعیہ میں اس کی اجازت صراحۃً موجود ہے۔ علماء اس کو کیسے منع کر سکتے ہیں۔ دوسرے جن نصوص میں کسب دنیا کی اجازت تھی ان کو ان ظالموں نے حب دنیا پر بھی محمول کرلیا حالانکہ جس پیغمبر کا یہ ارشاد ہے:

"کسب الحلال فریضة بعد فریضة" انہی کا یہ ارشاد بھی ہے:

"حب الدنیا رأس کل خطیئة" اور یہ اشارہ بھی ہے:

تعس عبد الدینار تعس عبد الدرهم تعس عبد الخمیصة ان اعطی رضی وان منع سخط تعس وانتکس واذا شیك فلا انتقش۔

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا دی ہے کہ دینار ودرہم کا بندہ ہلاک ہوجائے ذلیل ہوجائے اور اگر اس کے کانٹا لگے تو خدا کرے نکلنا نصیب نہ ہو۔ شاید کوئی ذہین یہاں یہ اشکال پیدا کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا بھی دعا ہوکر لگتی ہے پھر اس کا کیا ڈر؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حق تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ:

اللهم انما بشر فایما رجل اذیته اوشتمته اولعنته فاجعلها له صلوٰة وزکوٰة وقربة تقربه بها الیك۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس بددعا کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشریت کے اقتضاء سے غلبہ غضب میں فرمادی ہو۔ تشریعی بدُعا کا یہ حکم نہیں اور اس جگہ جو عبد الدینار والدرہم کو بدُعا دی گئی ہے وہ بشریت کی راہ سے نہیں ہے بلکہ تشریعی بددعا ہے جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب اس بددعا سے بہت ڈرنا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور تشریعی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "انی اری ربك یسارع فی هواك" کہ میں دیکھتی ہوں کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے چاہتے ہیں حق تعالیٰ ویسے ہی کردیتے ہیں۔

اب میں حب دُنیا کی حقیقت حق تعالیٰ ہی کے کلام سے بتلانا چاہتا ہوں کیونکہ اس

میں بہت لوگ غلطی کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ (التوبہ آیت نمبر ۲۴)

"یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت) کا بھیج دیں۔"

(جلد 1، وعظ ھم الآخرۃ، ص:295)

مطلوبیت دُنیا کے درجات

صاحبو! تم بھی ان حضرات کی طرح باطن دنیا میں تامل کرو۔ اس آیت میں بھی ظاہر کی قید بڑھا کر باطن پر نظر کرنے کی طرف اشارہ ہے اور خلاصہ اس نظر باطن کا یہ ہے کہ دنیا میں اس کی مطلوبیت کی دو حیثیتیں ہیں۔

ایک مطلوبیت اس کے صفات کے اعتبار سے دوسرے مطلوبیت اس کی غایت کے اعتبار سے تو صفت کے اعتبار سے تو دنیا کی یہ حالت ہے کہ وہ فانی ہے اور آخرت باقی ہے اور پائیدار کے مقابلہ میں ناپائیدار قابل رغبت نہیں ہوا کرتا اور غایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس چیز کے لیے لوگ دنیا کو طلب کرتے ہیں وہ بھی دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ وہ بھی دین ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اب سمجھئے کہ دنیا کو کس چیز کے لیے طلب کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عیش آرام کے

لیے طلب کیا جاتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ عیش آرام کس چیز کا نام ہے۔

بعض لوگ عمدہ لباس' عمدہ مکان اور عمدہ غذا کو عیش آرام سمجھتے ہیں مگر یہ تو اسباب آرام ہیں اور عیش و آرام کی حقیقت کچھ اور ہے۔

دیکھئے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور یہ سب اسباب بھی اس کو میسر ہوں تو کیا اس کو ان اسباب سے کچھ خوشی ہو سکتی ہے؟ ہر گز نہیں اور اگر کسی بے آئین سلطنت میں اس کو اجازت دی جائے کہ چاہے تم اپنا کوئی عوض پھانسی کے لیے دے دو خواہ خود پھانسی پر لٹک جاؤ اور یہ شخص اعلان کر دے کہ جو شخص میری طرف سے پھانسی پر لٹکنا منظور کرے میں اس کو اپنی تمام جائیداد اور مال دیدوں گا تو بتلاؤ کیا کوئی غریب سے غریب بھی پھانسی کو گوارا کرے گا؟ ظاہر ہے کہ ہر گز نہیں کرے گا۔

(جلد 1، وعظ ہم الآخرة، ص: 309)

دولت ایمان قابل قدر ہے

صاحبو! اس دولت ایمان کی قدر کرو۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اہل اللہ سے بڑھ کر راحت قلب کسی کو حاصل نہیں اور یہی روح ہے دنیا کی۔

تو معلوم ہوا کہ طالبان دنیا کو دنیا سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔ وہ تو محض ظاہری اسباب کو لئے بیٹھے ہیں اور روح دنیا ان ہی لوگوں کو حاصل ہے جن کو تم تارک دنیا کہتے ہو۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح دنیا طلب دنیا سے نہیں ملتی بلکہ ترک دنیا سے ملتی ہے پھر حیرت ہے کہ لوگ ایسی چیز کے عاشق ہیں جس کے ملنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس سے نفرت کی جائے' محبت نہ کی جائے۔

یہ تو اس کا اثبات تھا کہ دنیا کی راحت اہل اللہ ہی کو میسر ہے باقی رہا یہ کہ کیا ہے راز ان کی اس راحت کا؟ سو وہ یہ ہے کہ اہل اللہ اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہیں کرتے۔ کیونکہ تجویز کرنا دعویٰ ہے ہستی کا کہ ہم بھی کچھ ہیں اور ہماری تجویز بھی کوئی چیز ہے اور

ان کا مذاق فنائے محض ہے وہ اپنے کو مٹا چکے یعنی اپنے ارادہ اور تجویز کو فنا کر چکے ہیں۔

(جلد 1، وعظ ھم الآخرۃ، ص: 313)

جنت اور دوزخ کی وسعت

حدیث میں ہے کہ جنت میں سب سے اخیر میں جو شخص داخل ہوگا حق تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ جا جنت میں جا' وہ جائے گا تو وہاں ہجوم اور مجمع دیکھے گا۔ حق تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ یہاں تو جگہ بھی نہیں۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تجھ کو دنیا سے دس گنا زیادہ رقبہ جنت میں دیا۔ وہ کہے گا "اتستھزی بی وانت رب العالمین" کیا آپ رب العالمین ہو کر مجھ سے ہنسی کرتے ہیں یہاں تو ذرا سی بھی جگہ نہیں اور آپ دنیا سے دس گنا بتلاتے ہیں۔ یہ شخص جاہل جنتی ہوگا' گنوار اسی واسطے ایسی بے باکانہ گفتگو کرے گا کیونکہ جنت میں جاہل بھی ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک نے نماز کے بعد بہت لوگوں کو مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا' خوش ہوئے اور فرمایا "نعم حشو الجنۃ ھم" کہ الحمدللہ! یہ سب جنت کی بھرتی ہیں مگر کام کے آدمی ان میں دو تین ہی ہوں گے۔

جنت اور دوزخ کی وسعت

صاحبو! تم جنت کے طالب ہو تو جنت تو ان شاء اللہ تم کو ملے ہی گی' جنت تمہارے ہی واسطے ہے' کفار کے واسطے تھوڑا ہی ہے اس سے تو بے فکر رہو' پس ذرا برے برے کام چھوڑ دو مگر جی یوں چاہتا ہے کہ جنت کی بھرتی نہ بنو بلکہ کام کے آدمی بنو تو جنت میں اتنی وسعت ہے کہ سب سے ادنیٰ مسلمان کو بھی دنیا سے دس گنا رقبہ جنت میں ملے گا۔

اس پر بعض نیچریوں نے اعتراض کے طور پر کہا ہے کہ ہم نے تو سارا جغرافیہ پڑھا ہے ہم کو تو جنت کا کہیں پتہ نہیں لگا۔

اس کا جواب میں نے یہ دیا ہے کہ تم نے جغرافیہ ارضی پڑھا ہے جغرافیہ عالم نہیں

پڑھا ہے وہ ہمارے پاس ہے اگر تم جغرافیہ عالم پڑھتے یعنی قرآن تو تم کو جنت کا پتہ چل جاتا اور جن لوگوں نے یہ جغرافیہ عالم پڑھا ہے ان کو جنت کا بھی علم ہے اور دوزخ کا بھی اور پل صراط کا بھی اور عرش و میزان کا بھی اور بعض کو تو ان میں دنیا ہی کے اندر سب کا انکشاف ہو گیا ہے۔(جلد 1، وعظ ام الآخرۃ، ص:320)

محدثین کا مقام

صاحبو! محدثین کا تدین اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اگر ایک حدیث سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی دوسرا باب اس کا معارض صوری بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کو مقصود محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جمع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا یا اس پر زور دینا کیونکہ جب ایک حدیث کے ساتھ دوسری حدیث جو اس پہلی سے صورۃ معارض ہے موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہوگی تو بصورت ایزاد معارض کوئی خاص رائے کیونکر مقصود ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود تمام احادیث کا لوگوں کے سامنے پیش کر دینا ہے کہ دیکھیں اور خوب سمجھ لیں۔ ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیال کے مؤیدات کو۔ پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تفاوت ہے تو حدیث قابل وثوق ہوئی اور اس کے مقابل تاریخ قابل وثوق نہ ہوئی تو جو واقعات تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث ان کو باطل کرتی ہوگی وہ محض ہیچ ہیں ہرگز قابل قبول نہیں۔(جلد 1، وعظ تجارت آخرت، ص:334)

ہمارے ایثار کی مثال

صاحبو! یہ وہی ایثار ہے جو فرعون میں تھا۔ دین چھوڑ کر دنیا پر قناعت کی۔

اس کی ایک حکایت ہے کہ مصر کی زراعت کا مدار رود نیل کے جوش پر تھا' ایک سال اس کو جوش نہیں ہوا' لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ تو مدعی الوہیت ہے' ہم لوگ قحط میں مرے جاتے ہیں' یہ تیری الوہیت کب کام آئے گی۔

اس نے کہا کہ کل رود نیل کو جوش ہوگا' رات کو دعا کی کہ اے اللہ! اگرچہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ میری کوئی معروض قبول ہو لیکن میری ہمت تو دیکھئے کہ میں نے آپ کو چھوڑا' جنت کو چھوڑا' ابدالآباد کے عذاب کو گوارا کیا' ان سب کے بدلے صرف ایک التجا کرتا ہوں کہ میری ایک دعا کو قبول فرما لیجئے کہ جب میں رود نیل کو حکم دوں تو اس کو جوش ہو جائے۔ چنانچہ اس کی یہ دعا قبول ہوگئی اور ایسا ہی ہوا۔

اور اس کی دعا کی قبولیت سے کوئی اپنے دل میں شبہ نہ کرے کہ اس کافر ملعون کی دعا کیونکر قبول ہوگئی۔ بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ سب کی سنتے ہیں حتیٰ کہ شیطان جو کہ سب سے زیادہ ملعون ہے اس کی درخواست بھی قبول ہوگئی اور پھر درخواست بھی خاص عتاب کے وقت کی کہ علی العموم اس وقت کی درخواست پوری نہیں ہوتی اور درخواست بھی ایسی عجیب جو کسی نے آج تک نہ کی تھی اور نہ وہ ظاہراً منظوری کے قابل تھی کہ:

أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ (ص آیت نمبر ۷۹)

''کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔''

گویا خداوند تعالیٰ کی طرف سے تو یہ عتاب کہ

''وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ'' (ص: ۷۸)

''اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہوگی قیامت کے دن تک'' اور شیطان کی طرف سے یہ درخواست کہ رب أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ (ص آیت نمبر ۷۹)

''کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔''

تو جب اس کی ایسی عجیب درخواست ایسے عجیب وقت میں قبول ہوگئی تو فرعون کی درخواست قبول ہونے میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے۔ شیطان کے اس واقعہ سے چند

باتیں معلوم ہوتی ہیں اول تو اس کی بے حیائی کہ جوتیاں سر پر پڑ رہی ہیں اور اس کو درخواست کرنے کی سوجھ رہی ہے۔ دوسرا اس کا وثوق کہ باوجود اس حالت کے بھی اس کو پورا یقین تھا کہ ضرور درخواست قبول ہوگی۔ تیسرے خدا تعالیٰ کا فضل وکرم کہ درخواست کے ساتھ ہی "اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ" ارشاد ہوا جب دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو دوستوں کو کب محروم کیا جاسکتا ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم　　　　تو کہ با دشمناں نظر داری

آپ "دوستوں کو کب محروم کرو گے جبکہ دشمنوں پر آپ کی نظر عنایت ہے۔"

یہ قصہ مسلمانوں کے لیے بڑی خوشی کا ہے کہ جب اس بارگاہ میں دشمن کی دعا قبول ہوگی تو ہماری دعا کیوں قبول نہ ہوگی مگر یہ ضرور ہے کہ شیطان کے برابر اڑیل ہو جائیں۔ غرض جیسی فرعون کی ہمت تھی ویسی ہی آج کل کے ایثار والوں کی بھی ہمت ہے اور اگر فرعون کی وہ ہمت ہمت کہنے کے قابل نہیں تو ہمارا یہ ایثار بھی ایثار نہیں ہے۔ (جلد 1، وعظ تجارت آخرت، ص: 338)

صدقہ جاریہ

صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرتے ہیں۔

اے کہ برما می روی دامن کشاں　　　　از سر اخلاص الحمدے بخواں

"اے وہ شخص جو ہم سے دامن جھاڑ کر گزر گیا' ذرا ایک مرتبہ اخلاص سے ایک مرتبہ سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشا جاتا"

کہ اگر اور کچھ نہیں تو ایک دفعہ الحمدللہ ہی پڑھتے جاؤ۔ آج جس الحمد کو ہم ہزار بار خود پڑھ سکتے ہیں بعد مرگ اس کو ایک مرتبہ دوسرے کی زبان سے پڑھنے کے لیے

ترسیں گے تو یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام آئے گا۔ نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کیے جائیں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں' اس وقت جب ورق اُلٹا جائے گا تو دیکھے گا کہ کسی جگہ بخاری شریف کا ثواب لکھا ہوا ہے کسی جگہ مسلم شریف کا ثواب لکھا ہوا ہے کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہے۔ علیٰ ہذا

صَاحِبُو! اگر آج سے ہزار سال کے بعد قیامت آئے تو اس وقت تک اس مکان میں یا اس مکان میں تعلیم پانے والوں کے سلسلہ میں جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی مرتبہ مسلم شریف پڑھائی جائے گی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز اس کی غایت پریشانی کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کہا جائے گا کہ تم نے جو دار الطلبہ میں مثلاً مدد کی تھی آج یہ پوٹ کی پوٹ ثواب کی اس کی بدولت تم کو مل رہی ہے۔ اس وقت خوش ہوگا اور زبان حال سے کہے گا:

جمادے چند دادم جاں خریدم — بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

''چند سکے دیئے اور جان خریدی اور بفضل اللہ بہت سستا سودا خریدا''

اور اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے سے کیا نفع عظیم حاصل ہوا۔

صَاحِبُو! خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض وہمی خیال مزاجوں کو شبہ ہو کہ جب اس مکان میں یہ کام یا خود یہ مکان نہ رہے گا تو کیسے ثواب ملے گا۔ تو اول تو اس کا گمان کرنا ہی برا ہے۔

یاد رکھو کہ نیک کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کرتا۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

''اگر دنیا سراسر ہوا بن جائے تب بھی مقبولین کا چراغ ہرگز نہیں بجھ سکتا۔''

غرض اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوتا اور بالفرض ہو بھی تو یہ قاعدہ مقرر ہے کہ

''انما الاعمال بالنیات''

تو نیت تو دینے والوں کی ہمیشہ ہی کے لیے اس کی اعانت کرنے کی ہے اور اگر اسی

پھر مدار ہے کہ جتنے دن کام ہوا اتنے ہی دن کا ثواب ملے تو جنت دائمی کا استحقاق بھی نہ رہے گا کیونکہ جب سو برس تک نیکیاں نہیں کیں تو سو برس سے زیادہ جنت میں کیوں رہیں۔ حالانکہ جنت میں ابدالآباد رہنا ثابت ہے۔ تو اس نیت کی بدولت ہے کہ ہر مسلمان کی یہ نیت کہ اگر قیامت تک زندہ رہیں گے تو اس دین پر رہیں گے۔ اسی لیے جزائے موبد ملتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی نیت تابید کی ہے۔ پس یہ وسوسہ غلط ٹھہرا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اس تقسیم اور تجزیہ کا غلط ہونا ثابت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے نفسوں اور جانوں کو خرید لیا ہے تو دونوں کو جمع فرمانے سے یہ بتلا دیا کہ نہ صرف بذل مال کرنے والے معذور ہوں اور نہ صرف بذل جان کرنے والے بلکہ جب دونوں کا بذل ہوگا تو جنت کا استحقاق ہوگا۔ (جلد 1، وعظ تجارت آخرت، ص:362)

اِصلاح اخلاق کی ضرورت

میں تو یہ کہتا ہوں کہ علماء کو اصلاح اخلاق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ہمارے نواح میں ایک بزرگ کسی رئیس کے یہاں مدعو تھے۔ کھانے کے وقت ان کو بلایا گیا تو ان کے اہل مجلس سب ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ اس بارے میں گاؤں والے بہت اچھے ہوتے ہیں کہ کھانے کا نام سنتے ہی اٹھ بھاگتے ہیں۔ جب وہاں سب جا کر بیٹھے تو میزبان نے تواضع کے طور پر سب سے کہا کہ آپ بھی کھانے میں شریک ہو جائیں' کھانا بہت ہے' کچھ لوگوں نے عذر کیا کہ ہم تو محض حضرت کے ساتھ چلے آئے تھے' ہم کھانا نہ کھائیں گے' میزبان خاموش ہو گیا تو وہ بزرگ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ایک مسلمان محبت سے کہتا ہے تو تم انکار کیوں کرتے ہو۔ سبحان اللہ! کوئی اس غریب کے دل سے پوچھتا کہ وہ کیسی محبت سے کہہ رہا تھا' وہ تو محض اس غیرت کے لحاظ سے کہہ رہا تھا کہ جب یہ لوگ میرے گھر پر کھانے کے وقت آ گئے تو ان سے کھانے کے لیے نہ

کہنا اور ان کی بات تک نہ پوچھنا عرفاً مذموم ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس شخص نے دس پانچ آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا ہو وہ اتنے بڑے مجمع کو محبت سے کب مدعو کر سکتا ہے جو اس مثل کے موافق آ گئے ہوں "مان نہ مان میں تیرا مہمان"۔

غرض ان بزرگ کے ارشاد سے سب لوگ ہاتھ دھو دھو کر بیٹھ گئے اور کھانا کم ہو گیا' بیچارے میزبان نے اپنے بھائی کے گھر سے منگایا وہ بھی کافی نہ ہوا' آخر بازار سے منگایا' سب کے سامنے بے آبرو ہو گئی کہ ان کے گھر سے کھانا نہ نکلا اور سخت بے لطفی ہوئی۔ بعد میں بعضوں نے خود ان بزرگ کی شکایت کی کہ ان کو خدا کا خوف نہیں آیا کہ اتنے بڑے مجمع کو دوسرے کے گھر پر لا کھڑا کیا۔

صَاحِبُو! بے ڈھنگی بات سے سب کو تکلیف ہوتی ہے گو کوئی شرم ولحاظ کی وجہ سے ظاہر نہ کرے۔ مجھے خود ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک انجمن میں مجھے بلایا گیا تو میں نے سفر خرچ کے سوا کچھ نہ لیا اور کرایہ بھی تیسرے درجہ کا لیا۔

وہ بھی انجمن سے نہیں بلکہ خاص داعی کی رقم سے جو کہ پہلے ہی شرط ٹھہر چکی تھی' وہ مجھے زائد دینے لگے میں نے انکار کیا اور کھانے کے اندر بھی میں نے تکلف کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس برتاؤ سے انجمن والے بڑے خوش ہوئے اور میرے سامنے سیکرٹری انجمن نے ایک واعظ کی شکایت کی کہ صاحب وہ تو ایک دن میں گیارہ روپے کے پان کھا گئے۔ گیارہ روپے کے پان ایک آدمی تو بھلا کیونکر کھا سکتا تھا' بس یہ ہوا کہ جتنے آدمی ان سے ملنے آئے ان سب کو خوب پان کھلائے۔ اس وقت تو کسی نے کچھ نہ کہا مگر بعد میں شکایت زبان پر آ ہی گئی۔ (جلد 1، وعظ ترجیح الآخرۃ، ص:415)

نفس کا کید خفی

صَاحِبُو! یہ نفس کا کید خفی ہے کہ ہم اپنے مدرسہ کے جلسہ سے خوش ہونے کو دینی مسرت سمجھتے ہیں' یہ نفس بڑا ہوشیار ہے' بعض دفعہ یہ ایسی پٹی پڑھاتا ہے کہ خود

صاحب نفس کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس میں نفس کا کید تھا۔ چنانچہ اس مقام پر بعض اوقات نفس دھوکہ دیتا ہے کہ اپنی کارگزاری پر اس لیے زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ اس فعل کا ہم کو ثواب ملا غیر کے فعل کا ثواب ہم کو نہیں ملتا اس لیے اس کی مسرت اس قدر نہیں ہوئی۔ اس کا امتحان یہ ہے کہ اگر ایسے اسباب جمع ہو جائیں کہ فعل تو ان کا ہو مگر انتساب ہو جائے دوسرے کی طرف تو کیا اس وقت بھی ویسی ہی مسرت ہوتی ہے۔

غرض ہماری حالت یہ ہے کہ کوئی تو دنیا کو دنیا کی صورت سے حاصل کر رہا ہے اور اس میں ایسا منہمک ہے کہ آخرت کی اسے کچھ پرواہ نہیں اور کوئی دنیا کو دین کی صورت سے حاصل کر رہا ہے ایسا شخص اپنے کو دیندار سمجھتا ہے مگر حقیقت میں یہ بھی دنیا دار ہے۔ حق تعالیٰ اسی کی شکایت فرماتے ہیں:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى.

"کہ تم فلاح کے لیے کوشش نہیں کرتے بلکہ حیات دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔"

(جلد ۱، وعظ ترجیح الآخرۃ، ص:426)

جلد 2 ... صحبت اہل اللہ کی ضرورت

ایک تعلیم یافتہ نے مجھ سے ایک باریک مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے ان کو میرا یہ جواب بہت ناگوار ہوا۔ کہنے لگے اس کی کیا وجہ کہ میں اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ میں نے کہا وجہ یہ ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے جن مقدمات ومبادی کے جاننے کی ضرورت ہے۔ آپ نے ان کو نہیں جانا اور جس بات کا علم مقدمات ومبادی پر موقوف ہو۔ اس کو بدون ان کے جانے ہوئے سمجھنا دشوار ہے اور اگر آپ اس کا دعویٰ کریں کہ بدون مقدمات ومبادی کے بھی میں سمجھ سکتا ہوں تو پہلے آپ میرے سامنے ایک گھس کھدے کو جس نے اقلیدس کے مقدمات واصول موضوعہ معلوم نہیں کیے اقلیدس کی کوئی شکل سمجھائیں اور میرے سامنے اس سے تقریر

بھی کروائیں تو میں بھی اس مسئلہ کا جواب بدون مقدمات و مبادی کے آپ کو سمجھادوں گا۔اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا خاموش ہو گئے۔

ایک شخص سے میں نے ایسے ہی موقع میں یہ بھی کہا تھا کہ شاید آپ کے دل میں وسوسہ آیا ہو کہ علماء کے پاس میرے سوال کا جواب نہیں اس لئے بہانہ کر کے ٹال دیا۔تو اب آپ یہ کیجئے کہ سامنے درس گاہ میں جو مدرس پڑھا رہے ہیں ان سے اپنا سوال بیان کر دیجئے اور کہئے کہ وہ اس کا جواب مجھ سے دریافت کریں۔میں ان کے سامنے جواب بیان کر دوں گا کیونکہ وہ اس کے مقدمات و مبادی سے واقف ہیں۔ اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علماء کے پاس آپ کے سوال کا جواب ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ اس کے جواب کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ آپ اس کے مقدمات سے جاہل ہیں اور جس کو مقدمات کا علم ہے وہ سمجھ جائے گا۔چنانچہ میں آپ کے سامنے اس مدرس سے بھی جواب کی تقریر کرادوں گا۔اور اگر وہ ایسا کرتے تو بہت جلدی اقرار کر لیتے کہ واقعی میں اس سوال کا اہل نہ تھا۔

صَاحِبُو! ہر شخص ہر بات کے سمجھنے کا اہل نہیں ہوتا۔اس لئے آپ تقلید اًمان لیجئے کہ مخالفین کا رد کرنا آپ کا کام نہیں۔اس لئے آپ کو غیر مذہب والوں کی کتابیں اور ان مسلمانوں کی بھی کتابیں جن کو دین سے مس نہیں ہرگز نہ دیکھنا چاہیے۔یہ محض آپ کی خیر خواہی کے لئے میں کہہ رہا ہوں تا کہ آپ کا دین سلامت رہے جو ہر مسلمان کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔آگے آپ جانیں آپ کا کام۔(جلد 2،وعظ الفاظ قرآن،ص:32)

الفاظ قرآن کی حفاظت

صَاحِبُو! الفاظ قرآن کو اس کی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے کیونکہ الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت سہولت سے حفظ ہو جاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ! خدا نخواستہ! یہ لکھے ہوئے مصاحف گم ہو جائیں تو ایک بچہ حافظ قرآن اپنی یاد سے اس کو

دوبارہ لکھوا سکتا ہے، بڑوں کا تو کیا ذکر!

مظفر نگر کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک واعظ نے قرآن کے اس معجزہ کو ظاہر کرنا چاہا تو درمیان وعظ میں ایک آیت پڑھ کر اٹک گئے اور مجمع کو خطاب کر کے کہا کہ اس مجمع میں جس قدر حفاظ موجود ہوں چھوٹے بڑے سب کھڑے ہو جائیں مجھے ایک آیت میں شبہ ہو گیا ہے اس کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ تو چاروں طرف سے بہت سے آدمی کھڑے ہو گئے جن میں بچے بھی تھے جوان بھی اور بوڑھے بھی تھے ادھیڑ عمر بھی۔ یہ دیکھ کر واعظ نے کہا، الحمدللہ صاحبو! مجھ کو آیت میں شبہ نہیں ہوا تھا۔ مجھے صرف یہ دکھلانا تھا کہ اس مجمع میں جس کے اندر حفاظ کو بالقصد جمع نہیں کیا گیا۔ یوں ہی کیف ما اتفق یہ سب مجمع آ گیا ہے، اس قدر حفاظ قرآن موجود ہیں۔ اب قیاس کرو کہ سارے شہر میں کتنے حافظ ہوں گے۔ پھر یہ اندازہ کرو کہ پورے ضلع میں کتنے ہوں گے۔ پھر سوچو کہ سارے ہندوستان میں کتنے ہوں گے اور دنیا بھر میں کتنے ہوں گے!!!

صاحبو! یہ قرآن کا معجزہ نہیں تو کیا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ قرآن کی طرف رغبت کا کوئی سامان نہیں نہ اس کے حفظ کرنے والوں کو کوئی بڑا عہدہ ملتا ہے بلکہ زیادہ تر امراء کی توجہ انگریزی پڑھنے کی طرف ہے اور کفار قرآن مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اس قدر حفاظ موجود ہیں کہ بچے بھی حافظ ہیں اور مرد بھی اور بعض قصبات میں عورتیں بھی حافظ ہیں۔ چنانچہ قصبہ پانی پت میں بہت عورتیں حافظ ہیں اور بعضی تو سبعہ قرأت کی حافظ ہیں۔

صاحبو! میں نہایت آزادی سے صاف صاف کہوں گا کہ جو لوگ بدون معانی سمجھے الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بیکار کہتے ہیں واللہ! وہ حضرات حق تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے حافظ پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ محفوظ رہے اور یہ لوگ دنیا سے حفظ قرآن کو مٹانا چاہتے ہیں کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن بچپن ہی میں اچھا ہوتا ہے۔ بڑے ہو کر ویسا حفظ نہیں ہوتا جیسا بچپن میں ہوتا ہے اور بچپن میں

بچہ معانی قرآن سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا۔ تواب اگر ان لوگوں کے مشورہ پر بچوں کو قرآن نہ پڑھایا جائے تو اس کا انجام یہی ہے کہ حفظ کا دروازہ بند ہو جائے مگر:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

(یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بغیر اس کے اپنے نور کو پہنچا ئیں کہ کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں)... یہ خدا کے نور کو مٹانا چاہتے ہیں۔ بخدا! یہ خود ہی مٹ جائیں گے اور خدا کا نور ان کے مٹانے سے نہ مٹے گا۔ یہ لوگ اپنے ایمان کی خیر منائیں یہ ہیں کس ہوا میں۔ خدا کی قسم ان لوگوں کا نام ونشان تک نہ رہے گا۔ یہ بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ (جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص: 40)

مرض حق کی اہمیت

لوگ یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب خدا قرآن کا حافظ ونگہبان ہے تو ہمیں اس کے اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اے صاحبو! یہ بات ایسے دل سے نکلی ہے جس میں خدا سے ذرا بھی علاقہ اور لگاؤ نہیں۔ کیا اگر جارج پنجم آپ کو کوئی تحفہ دیں، آپ اس کی بے قدری کر سکتے ہیں اور خصوصاً ان کی نگاہ کے سامنے؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس کو سر اور آنکھوں پر رکھا جائے گا اور اس کی جان سے زیادہ حفاظت کی جائے گی۔ اور اگر وہ کوئی تحفہ کھانے کے واسطے آپ کو دیں اور ان کے سامنے آپ اسے کھائیں تو کیا زمین پر آپ اس کا کوئی ریزہ گرنے دیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس طرح شوق سے کھائیں گے کہ گویا کبھی یہ نعمت آپ کو ملی ہی نہ تھی اور اگر اس میں سے ذرا سا بھی زمین پر گرے گا، تو فوراً اٹھا کر سر پر رکھیں گے!

یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حقیقت سمجھ لو کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ زمین پر گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ تو ان کی نعمت کی ان کے سامنے بے قدری کرنا بڑی بے

حیائی ہے۔ تو صاحبو! خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں یہ قرآن دے دیا ہے۔ تو کیا عطیہ حق کی ہم کو قدر نہ کرنا چاہئے۔ کیا ہم کو اس کی حفاظت خود بھی نہ کرنا چاہئے صاحبو! جب قرآن خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں دیدیا ہے تو اب تو یہ آپ کا ہو گیا۔ تو کیا اپنی ایسی قیمتی چیز کی جو سلطان السلاطین کے دربار سے ملی ہے آپ کو حفاظت نہ کرنا چاہئے؟ یقیناً کرنا چاہئے خصوصاً جب کہ خدا کی مرضی اس کی حفاظت میں ہے اور وہ اس کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، تو آپ کو بھی مرضی حق پر چلنا چاہیے۔

اس کی حقیقت اولیاء اللہ سے پوچھو۔ ایک بزرگ شاہ دولہ تھے ان کی بستی کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، حضور! دریا بستی کی طرف آ رہا ہے۔ بستی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دھار کو دوسری طرف پھیر دیں۔ فرمایا، کل صبح کو سب آدمی پھاوڑے لے کر حاضر ہونا ہم اس کا انتظام کر دیں گے۔ چنانچہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ سب کو دریا کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ بستی کی طرف کو پانی کا راستہ کھودنا شروع کرو۔ لوگوں نے کہا، حضور! اس طرح تو دو دن کا پہنچتا ایک دن میں دریا بستی کے اندر پہنچ جائے گا۔ فرمایا کہ دریا کا رخ بستی ہی کی طرف ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے۔ پس جدھر مولیٰ ادھر ہی شاہ دولہ! تم کھودنا شروع کرو۔ لوگ بزرگوں کے اس زمانہ میں مطیع تھے۔ بستی ہی کی طرف کھودنا شروع کیا۔ تھوڑی سی دیر میں پانی کا رخ بدل گیا اور دریا کی دھار دوسری طرف کو جاری ہو گئی۔ بستی سے خطرہ ٹل گیا۔ یہ تو اہل اللہ کی حالت تھی کہ وہ مرضی حق کی کس قدر رعایت کرتے ہیں۔

اب دنیاداروں کی حکایت سنئے کہ وہ حکام کی مرضی کی کس قدر رعایت کرتے ہیں۔ مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ ایک مقام پر نہر کی پٹڑی ٹوٹ گئی تھی۔ انگریز انجینئر اس کو درست کر رہا تھا۔ مگر جتنی مٹی ڈالتے تھے سب بہہ جاتی تھی، اور ناکہ بند نہ ہوتا تھا۔ تو وہ انگریز دہانہ پر جا کودا اور لیٹ گیا کہ اب مٹی ڈالو میں نے پانی کا زور کم کر دیا ہے۔ اس کا دہانہ پر لیٹنا تھا کہ بڑے بڑے اہل کار وہاں جا کر

لیٹ گئے اور مزدوروں نے مٹی ڈالنا شروع کی۔

ذرا سی دیر میں پانی کا زور کم ہوگیا اور دہانہ بند ہوگیا پھر آہستہ آہستہ وہ لوگ کھڑے ہوئے جو پانی کے زور کی جگہ لیٹے ہوئے تھے۔ تو یہ فطری قاعدہ ہے کہ رعایا حاکم کی مرضی کی طرف بڑھنا چاہتی ہے۔ تو کیا خدا تعالیٰ ایسے سستے ہیں کہ جس طرف ان کی مرضی ہو ادھر توجہ نہ کی جائے مولانا اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں ؎

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا ☆ زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

(اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت مل گیا ہوں)...(جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص:46-45)

الفاظ قرآن کی حفاظت

حضرات سلف صالحین نے تو قرآن کے نقوش اور رسم خط کی بھی یہاں تک حفاظت کی ہے کہ رسم خط قرآن کے متعلق مستقل رسائل تصنیف کئے اور اس کو ایک علیحدہ فن قرار دیا ہے اور اس میں تغیر و تبدل کرنا جائز فرمایا ہے۔

صَاحِبُو! آج کل تو یادگار قدیم کی اس قدر حفاظت کی جاتی ہے کہ اس کے تغیر کے بعد بھی اس کا فوٹو لیا جاتا ہے۔ تو خدانخواستہ اگر رسم خط قدیم متغیر بھی ہوتا۔ جب بھی یادگار قدیم ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت ضروری تھی۔ چہ جائیکہ وہ بالکل محفوظ صحیح ہے بلکہ اس میں نکات ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ بقادر میں الف نہیں لکھا گیا کیونکہ وہاں دوسری قرأت بقدر ہے تو صحابہ نے اس جگہ بقادر میں الف نہیں لکھا تاکہ دوسری قرأت پر بھی رسم دال رہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ میں مالك يوم الدين میں الف نہیں لکھا کیونکہ ایک قرأت میں ملك ہے۔ پس رسم خط کا قرآن میں بے حد لحاظ کیا گیا ہے کہ سب قرأتوں کو جامع رہے۔ اس لئے اس کا بدلنا حرام ہے۔

صَاحِبُو! جب قرآن کی ہر چیز کی حفاظت کی گئی ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے

بڑا فخر ہے کہ ان کے برابر کسی قوم اور کسی امت نے آسمانی کتاب کی حفاظت نہیں کی تو آپ کو بھی ان کی ہر چیز کی ویسی ہی حفاظت کرنا چاہیے۔ (جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص: 54)

آخرت کی کرنسی

صَاحِبُو! اسی طرح ایک اور عالم آنے والا ہے جس کے بازار میں آپ کے ان سکوں کی کچھ قدر نہیں جو آپ جمع کر رہے ہیں۔ نہ وہاں روپیہ کی قدر ہے، نہ اشرفی کی، نہ انٹرنیس کی قدر ہے نہ بی اے کی، نہ ایل ایل بی، کی نہ آئی، سی ایس کی۔ وہاں کا سکہ یہی نیکیاں ہیں جن کی آپ اس وقت بے قدری کر رہے ہیں، پس قرآن کے الفاظ کا دوسرا نفع یہ ہے کہ یہ آخرت کا سکہ ہے جس کی ایک ایک سورت سے آخرت کے بے شمار خزانے جمع ہو جاتے ہیں۔ جب آپ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ ایک سورۃ فاتحہ اور قل ہو اللہ سے اتنا بے شمار ثواب مل گیا، تو بے ساختہ یوں کہیں گے

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را که بیک گل می خری گلزار را

(ایسا بازار کہاں ہوگا کہ ایک پھول کے بدلے میں سارا چمن مل جائے)

مگر ابھی اس واسطے قدر نہیں کہ یہ بازار اس سکہ کا نہیں ہے یہاں یہ سکہ رائج نہیں لیکن آخر آپ مسلمان ہیں اور آخرت وقیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

پھر اس نفع کی بے قدری کس لیے ہے۔ واللہ وہاں جا کر آپ افسوس کریں گے کہ ہائے ہم نے رات دن قرآن کی تلاوت کیوں نہ کی جو آج مالا مال ہو جاتے۔ اور اس وقت اپنے ان عذروں اور بہانوں پر افسوس ہوگا جو آج کل تحصیل قرآن میں کئے جاتے ہیں۔ (جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص: 60)

حق تعالیٰ سے ہم کلامی

صَاحِبُو! اگر کوئی محبوب ایک مہمل زبان تصنیف کر کے عاشق سے اس میں باتیں کرے تو عاشق اگر سچا عاشق ہے تو یقیناً اس کی قدر کرے گا اور وہ مہمل زبان ہی اس

کی نظر میں فصیح زبان سے زیادہ پیاری ہوگی۔ کیونکہ محبوب کی زبان ہے اور قرآن تو مہمل بھی نہیں بلکہ نہایت فصیح اور بلیغ، عجیب و غریب شیریں زبان ہے جو لوگ سمجھتے ہیں وہ تو اس کی فصاحت و بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہی ہیں مگر جو نہیں سمجھتے ان کو بھی اس میں بہت مزہ آتا ہے تجربہ کر کے دیکھ لو۔ اور جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں وہ اس کا خوب تجربہ کئے ہوئے ہیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی خوش الحان قاری مل جائے تو ذرا اس سے قرآن سن کر دیکھ لو کہ بدون معنی سمجھے تم کو مزہ آتا ہے نہیں۔ واللہ! بعض دفعہ نہ سمجھنے والوں کو بھی ایسا مزہ آتا ہے کہ دل پھٹ جاتا ہے۔ بس قرآن کی یہ حالت ہے

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد ☆ برنگ اصحاب صورت را بوار باب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو اپنے حسن صوری سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو اپنے حسن معنوی سے تر و تازہ رکھتی ہے)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پڑھنا گویا اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ آپ عاشق ہو کر اپنے محبوب سے باتیں کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ محبت وہ چیز ہے کہ عاشق طرح طرح سے اس کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرنے کا موقع ملے۔ (جلد 2 وعظ الفاظ قرآن ص: 64)

الفاظ قرآن کی عظمت

صاحبو! اس سے بڑھ کر الفاظ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی قرأت کی طرف بہت توجہ فرماتے اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں۔ اب غور کر لیجئے کہ اگر کسی عاشق کو کسی مخبر سے یہ معلوم ہو جائے کہ محبوبہ تیرا گانا سن رہی ہے تو بتلایئے وہ کیسے مزے لے لے کر گائے گا اور کس طرح بنا سنوار کر پڑھے گا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور اصدق کون مخبر ہوگا۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ قرآن پڑھنے والے پر بہت متوجہ ہوتے اور نہایت

توجہ سے اس کی قرأت سنتے ہیں۔ اس سے بھی الفاظ کا مقصود ہونا ظاہر ہے کیونکہ قرأت اور استماع، الفاظ ہی کے متعلق ہے نہ کہ معانی کے۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم کو قرآن پڑھتے ہوئے اس امر کا استحضار کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہماری قرأت کو سن رہے ہیں۔ اس مراقبہ کا اثر یہ ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کر کے قرأت کی جائے گی اور بے پروائی کے ساتھ نہ پڑھا جائے گا۔

(جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص: 66)

اہل اللہ کی عظمت

صاحبو! بادشاہوں کے نام ونشان آج دنیا سے غائب ہو گئے مگر اہل اللہ کا نام زندہ ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد کا نقش ہے دیکھئے! حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب کو کیسا معلوم ہے۔ سب کے دلوں میں ان کی عظمت کیسی تازہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ، کہن جس میں صدہا پیوند لگے ہوئے ہیں آج تک تبرک ہے اور بادشاہوں کے قیمتی تاج بھی آج معدوم ہو گئے۔ یہاں ایک بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ کے خرقہ میں صدہا پیوند اس واسطے لگے ہیں کہ شیخ نے سالہا سال تک اس کو پہنا تھا۔ جہاں سے پھٹا وہاں کبھی کسی قسم کا کبھی کسی طرح کا پیوند لگا دیا۔ مگر آج کل جو درویشوں کا خرقہ تیار ہوتا ہے اس میں قصداً رنگ برنگ کے پیوند لگائے جاتے ہیں۔ جس سے محض خوبصورتی اور نام مقصود ہوتا ہے۔

چنانچہ کانپور میں ایک درویش نے خرقہ بنایا تھا جو غالباً دو سال میں سل کر تیار ہوا تھا۔ ظالم نے اس میں قیمتی کپڑوں کے پیوند رنگ برنگ کے لگائے تھے۔ اور وہ بھی درزیوں سے مانگ مانگ کر جس میں کثرت سے چوری کے تھے۔ سو یہ خرقہ ریا ہے، خرقہ گدائی ہے، خرقہ درزی ہے جو حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا ٹھیک مصداق ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی وبغش باشد ☆ اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

(تمام صوفی بے کھوٹ نہیں ہوتے بہت خرقہ آگ کے قابل ہیں کہ آگ میں جلایا جائے، خلاصہ یہ کہ بہت سے صوفی مکار ہوتے ہیں) (جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص: 81)

علماء کو انتباہ

میں علماء سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ مذاق پیدا کرو اور اپنے اعمال واخلاق کو درست کرو۔ کہاں کے مناصب اور کیسی امامت؟ یاد رکھو! تم قوم کے ذمہ دار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے ان افعال کی وجہ سے لوگ دین کو ذلیل سمجھنے لگیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان حرکات پر یہ نتیجہ بدمرتب ہو رہا ہے۔

لوگوں نے علماء کی طمع اور پارٹی بندی کی وجہ سے علم دین کو ذلیل سمجھ رکھا ہے۔ تم نے ہی قوم کو ڈبویا ہے۔ تم نے ہی ان کے اعمال کو خراب اور ستیاناس کیا ہے۔ جب عوام علماء کو پارٹی بندی کرتے دیکھیں گے تو بتلاؤ کیا وہ پارٹی بندی نہیں کریں گے۔ ضرور کریں گے پھر ان کی اصلاح کے لئے ہمارا کیا منہ رہے گا۔

صَاحِبو! تم مسلمانوں کے خادم ہو مخدوم نہیں ہو۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ راستہ میں چلتے ہوئے کسی عامی کا سامنا ہو تو تم اس کو خود سلام نہیں کرتے بلکہ اس کے سلام کے منتظر رہتے ہو۔ یہ بھی وہی حب جاہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا سمجھتے ہو۔ کہاں تک روؤں؟ ہزاروں باتیں ہیں۔ بقول شاعر

یک تن وخیل آرزو دل بچہ مدعا دہم تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(ایک تن اور بہت سی آرزوئیں ہیں کس کس کو پوری کروں، بدن پر داغ ہی داغ ہیں کہاں کہاں پھایہ رکھوں)....ایک بات ہو تو اس کو رویا جائے۔

افسوس! ہم تو سر سے پیر تک ذمائم میں غرق ہیں۔

صَاحِبو! ہمارے اکابر تو ایسے نہ تھے بلکہ ان کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار چارپائی کی پائینتی کی طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ خط بنانے کو حجام حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا، حضرت

ابھی تو سرہانے نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ سرہانے بیٹھ جائیں تو میں بیٹھوں فرمایا، تو پھر اس وقت چلا جا۔ جب تو مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھے اس وقت آ کر حجامت بنا دینا۔ میں کہاں جھگڑا کروں کہ پائنتی چھوڑ کر سرہانے جا کر بیٹھوں۔ ایک دوسرے بزرگ اس وقت موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ ارے ایہ سرہانے نہیں بیٹھیں گے۔ تو ہی بیٹھ جا۔

صَاحِبو! ہمارے اکابر تو اس شان کے تھے۔ (جلد 2، وعظ الفاظ قرآن، ص:96)

تعلیم نسواں

صَاحِبو! عورتوں کا تو کمال یہی ہے کہ وہ اپنے گھر اور اپنے شوہر کے سوا تمام دنیا سے بے خبر ہوں۔ اور یہ وصف عورتوں میں فطری ہوتا ہے مگر لوگ اس کو بگاڑ دیتے ہیں۔

ایک شخص مجھ سے ایک بزرگ کی حکایت بیان کرتے تھے کہ وہ ایک مرتبہ بہلی میں سفر کر رہے تھے۔ اور وہ خود نہایت حسین تھے اور گاڑیبان ایسا بدشکل اور بدصورت تھا کہ خدا کی پناہ۔ راستہ میں اس گاڑیبان کا گھر آ گیا اور اس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ اس کی بیوی آواز سنتے ہی آئی جس وقت دفعتہ اس پر نگاہ پڑی ہے تو ایسا معلوم ہوا کہ چاند نکل آیا۔ نہایت ہی حسین تھی۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ یہ عورت تو ایسی حسین وجمیل اور اس کا مرد ایسا بدصورت۔ یہ اس کو منہ بھی لگاتی ہے یا نہیں۔ ان کو اپنے حسن پر بہت ناز تھا۔ انہوں نے سوچا کہ دیکھوں یہ عورت میری طرف بھی نظر کرتی ہے یا نہیں مگر اس اللہ کی بندی نے ایک نگاہ بھر کر بھی یہ نہ دیکھا کہ گاڑی میں کون ہے کون نہیں۔ اس کی ساری توجہ اپنے شوہر ہی کی طرف تھی اور اسی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ بہلی آگے بڑھ گئی اور وہ اپنے گھر میں چلی گئی وہ صاحب کہتے تھے کہ اس کی یہ صفت دیکھ کر بہت ہی دل خوش ہوا کہ پاک دامن ایسی ہونی چاہیے جو ایسے بدصورت خاوند سے بھی خوش ہو اور دوسروں کو مڑ کر بھی نہ دیکھے۔

سو میں کہتا ہوں کہ عورتوں میں یہ صفت فطری ہے مگر ہم لوگ اس کو بگاڑ دیتے ہیں۔ افسوس اس جوہر کی نگہبانی نہیں کی جاتی۔ پس عورتوں کو اگر تعلیم دی جائے تو سب سے

پہلے ناولوں اور خراب قصوں کا داخلہ اپنے گھر میں بند کردو۔ ان ناولوں کی بدولت شریف گھرانوں میں بڑے بڑے قصے ہو چکے ہیں۔ (جلد 2، وعظ تعمیم التعلیم، ص:150)

علم کی کیمیا

میں سچ کہتا ہوں کہ علم میں خود وہ لذت ہے جس کے سامنے تمام وہ لذتیں ہیچ ہیں۔ عالم ہو کر دنیا کی طمع ہو تعجب ہے۔ دنیا ہے کیا چیز؟ علم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ رہا روٹی کپڑا سو اس سے بے فکر رہو۔ جس کے پاس علم ہو وہ بھوکا نہیں رہا کرتا اور اس سے زیادہ کی تم کو ضرورت نہیں۔ پس اہل علم کو استغنا کے ساتھ رہنا چاہیے کہ اہل دنیا کو ہرگز یہ وسوسہ بھی نہ آسکے کہ علماء کو ہماری طرف سے احتیاج ہے۔

صاحبو! کیا تم کیمیا گر سے بھی گئے گزرے ہو گئے کہ وہ ذرا سی بے حقیقت چیز پر ایسا مستغنی ہو جاتا ہے کہ نوابوں اور بادشاہوں کی بھی اپنے سامنے کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور تمہارے پاس اتنی بڑی کیمیا ہے جس کے سامنے ہزار کیمیا گرد ہیں۔

یہ علم کی کیمیا وہ چیز ہے جس سے جنت اور رضائے حق نصیب ہوتی ہے۔ جس کے آگے واللہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے۔ پھر حیرت ہے کہ تم اتنے بڑے کیمیا گر ہو کر اہل دنیا کی خوشامد کرو ان کے روپے پیسے پر نظر کرو۔

پس تم کو اس کی فکر نہ کرنی چاہیے کہ سب لوگوں کو عالم بنانے کے بعد ہم کو کون پوچھے گا۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو خدا پوچھے گا جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔ اور جب تم کو خدا پوچھے گا تو وہ ہرگز تم کو بھوکا نہ مارے گا۔ پھر تم کو کیا فکر، لہٰذا علم دین کی تعلیم عام ہونی چاہیے۔ (جلد 2، وعظ تعمیم التعلیم، ص:195)

علم کی فضیلت

روحانی زندگی علم ہی پر موقوف ہے اور جس طرح روٹی کھانا آپ کو روزانہ سہل ہے اسی طرح آپ علم میں مشغول ہو کر دیکھیں پھر وہ بھی آپ کے لئے سہل ہو جائے گا۔

اور جب علم کا چسکہ لگ جائے گا تو پھر آپ کو اس کے بغیر چین نہ آئے گا۔ پھر اس میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اس سے حاصل ہوتی ہے جو شخص طالب علمی میں مرتا ہے اس کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

صاحبو! حق تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہونے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ امام محمدؒ کو کسی نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا، کیا حال ہے؟ فرمایا: مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا حکم ہوا کہ اے محمد! مانگو کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ ارشاد ہوا کہ اگر ہم تم کو عذاب کرنا چاہتے تو علم عطا نہ کرتے۔ تم کو ہم نے اپنا علم اس لیے عطا کیا تھا کہ ہم تم کو بخشا چاہتے تھے۔ لہٰذا مغفرت تو ہے ہی کچھ اور مانگو۔ سبحان اللہ دیکھئے! علم دین کی کیسی فضیلت ہے۔ واقعی حق تعالیٰ بخشنے کے واسطے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ (جلد 2، وعظ تعلیم التعلیم، ص: 197)

علم کی قدر

صاحبو! قدر وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ایک علمی نکتہ ہزار مال و دولت سے بہتر ہوتا ہے۔ اس پر مجھے ایک اور حکایت یاد آئی۔ دہلی میں احمد مرزا فوٹو گرافر ہیں۔ فوٹو اتارنے میں یہ اپنے فن میں ماہر ہیں مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کے بعد انہوں نے زندہ کی تصویر بنانے سے توبہ کر لی ہے۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنٹلمین میرے پاس آیا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ آپ کے پاس مہدی علی خان کا فوٹو ہے یا نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے اس سے کہہ دیا کہ بھائی اب تو میں نے اس سے توبہ کر لی ہے اور سب فوٹو تلف کر دیئے ہیں۔

کہنے لگا شاید کوئی پڑا ہوا نکل آوے۔ انہوں نے کہا، تم اس ردی میں تلاش کر لو شاید اس میں ہو۔ اس نے ردی میں تلاش کیا تو وہ فوٹو مل گیا جو نہایت صحیح تھا۔ اس نے پوچھا اس کی قیمت کیا ہے؟ احمد مرزا نے کہہ دیا کہ اب تو کچھ بھی نہیں۔ اس نے کہا میں

اس شخص کا فوٹو مفت نہیں لے سکتا۔ کیونکہ یہ اس شخص کی نہایت توہین ہے یہ ایسا شخص نہیں جس کا فوٹو بلا قیمت لیا جائے۔ احمد مرزا نے کہا کہ مجھے تو اس کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ شرعاً یہ مال متقوم نہیں۔ اس نے کہا، پھر میں تو مفت نہ لوں گا۔

آپ ان کی قیمت نہ سمجھیں، میری طرف سے ہدیہ سمجھ لیں اور یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا تو تیرہ روپے نکلے۔ اس نے وہ سب ان کو دے دیئے اور کہا افسوس ہے اس وقت میری جیب میں اتنے ہی روپے تھے ورنہ میری نیت پچاس روپے دینے کی تھی اس وقت تو آپ اسی رقم کو ہدیہ قبول کر لیجئے۔ غرض بہت اصرار سے وہ شخص تیرہ روپے ایسے مال کے دے گیا۔ جو مالک کے نزدیک ایک کوڑی کا بھی نہ تھا۔

غرض ہر فن کی قدر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ کیسی قابل قدر چیز ہے۔

پھر یہ تو دُنیا کا علم تھا اور اس علم کا کیا پوچھنا جو کہ دین کا علم ہے جو کہ آخرت کا ساتھی اور رضائے حق کا وسیلہ ہے۔

علم چوں بردل زنی یارے شود   علم چوں برتن زنی مارے شود

(علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ دوست (معین) بن جاتا ہے، اور اگر علم تن پر اثر کرے تو سانپ بن جاتا ہے)۔ (جلد 2، وعظ تعلیم التعلیم، ص:204)

علم دین کی برکت

میرا ایک عزیز ہے۔ اس کے والد نے بچپن ہی سے اس کو انگریزی تعلیم میں ڈال دیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ شوخی کرتا پھرتا تھا۔ میں نے بلایا کہ ادھر آؤ باتیں کریں۔ وہ آیا، میں نے کہا، کہ بتلا عربی اچھی ہے یا انگریزی؟ بے ساختہ بولا کہ عربی۔

میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کلام اللہ عربی میں ہے۔ عربی پڑھنے سے کلام اللہ خوب سمجھ میں آتا ہے۔ مجھے اس کے اس جواب سے حیرت ہو گئی۔

پھر میں نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے مگر اس سے دنیا نہیں ملتی نہ اس سے بڑی بڑی

نوکریاں ملتی ہیں اور انگریزی پڑھنے سے بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں تو عربی پڑھ کر کھائے کہاں سے؟ اس کا جواب بھی کس قدر ٹھہرا دیا۔ کہنے لگا کہ جب آدمی عربی پڑھتا ہے تو وہ اللہ کا ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ اس کی خدمت کرو۔ لوگ اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پریشان نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک ہے مگر یہ ذلت کی صورت ہے کہ لوگوں کے نذرانوں پر پڑا رہتا ہے۔ کہنے لگا کہ ذلت تو خود مانگنے میں ہے اور اس میں کیا ذلت ہے کہ لوگ اس کو خوشامد کر کے دیں۔ میں نے کہا کہ واقعی تم خوب سمجھے۔

پھر میں نے کہا کہ تم کیوں انگریزی پڑھتے ہو؟ کہنے لگا ہم کیا کریں ابا یہی پڑھواتے ہیں۔ میں نے اس کے والد سے کہا کہ تم نے ناحق اس لڑکے کو انگریزی میں ڈالا۔ اس کو تو عربی ہی سے مناسبت معلوم ہوتی ہے۔

پھر یہ واقعہ میں نے ان کو سنایا۔ وہ بھی آخر اسی کے باپ تھے۔ کہنے لگے کہ اس کو عربی سے تو خود ہی مناسبت ہے۔ اس لئے اس کو تو وہ خود حاصل کر لے گا۔ اور انگریزی سے اس کو مناسبت ہے نہیں وہ میں نے پڑھا دی۔ کیونکہ اس کو وہ خود حاصل نہ کرتا اور آج کل اس کی بھی ضرورت ہے۔

میں نے کہا کہ اس کو عربی سے آج تو مناسبت ہے مگر مدت تک انگریزی پڑھنے کے بعد یہ حالت نہیں رہے گی۔ مگر انہوں نے اس کو انگریزی ہی میں رکھا۔ چنانچہ اب تک وہ انگریزی پڑھ رہا ہے۔ لیکن اب بھی اس میں ایک رگ ملانوں کی ہے جس سے امید ہے کہ ان شاء اللہ ایک دن وہ ادھر ہی کھنچے گا۔

صَاحِبُو! عربی پڑھنے میں یہ بات ہے جو اس بچے نے بتلائی۔ کہ قرآن وحدیث کی پوری سمجھ عربی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم ترجمے دیکھ کر سب سمجھ لیں گے۔ سو یاد رکھو کہ ترجموں سے کلام کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

(جلد 2، وعظ تعمیم التعلیم، ص:208)

مطالعہ میں احتیاط

صاحبو! اللہ کے واسطے... رسول کے واسطے بے دینوں کی خصوصاً مخالفین اسلام کی کتابیں ہرگز مت دیکھو۔ طلباء بھی ایسی کتابیں نہ دیکھا کریں جواب دینے اور رد کرنے کے لیے بھی نہ دیکھیں۔

الا ان یامرہ واحد من الکاملین بضرورۃ۔

(مگر یہ کوئی کاملین میں سے ضرورت کی وجہ سے اس کا حکم دیدے)

حدیث میں آیا ہے کہ دجال کی خبر سن کر اس سے دور بھاگو پاس نہ جاؤ۔ مناظرہ اور رد کے واسطے بھی نہ جاؤ کیونکہ بعض لوگ مناظرہ کے واسطے جائیں گے اور معتقد ہو جائیں گے تو طلباء کو چونکہ ان کا علم بھی ناقص ہے مناظرہ کے قصد سے بھی مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہئیں کیونکہ پہلوان اگر کسی سے کشتی کرنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ مقابل اپنے سے کمزور ہے یا زبردست اگر کمزور ہے تو مقابلہ کرے ورنہ اس سے دور ہی رہے۔ ایسے شخص کا مقابلہ وہ کرے جو اس سے بھی زیادہ زبردست ہو۔ پس محقق کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ مخالفین کی رد کے درپے ہو کیونکہ غیر محقق پر اندیشہ ہے کبھی خود ہی کسی شک میں نہ پڑ جائے آج کل مخالفین کی کتابوں میں بہت گندے مضامین ہوتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر اول وہلہ میں ناقص کو پریشانی ہوتی ہے تو ایسی کتابیں ہرگز نہ دیکھنی چاہئیں۔ (جلد 2، وعظ العلم والخشیۃ، ص: 276)

تبلیغ کا قاعدہ

آج کل مسلمانوں میں یہ بھی مرض ہے کہ جس کام کو شروع کرتے ہیں سب کے سب اسی کام میں لگ جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے چنانچہ ایک دفعہ جہاد کے لیے سب لوگ چل پڑے تھے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

کہ سب مسلمانوں کو ایک دم سے جہاد کے واسطے نہ جانا چاہئے تھا۔ بلکہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی سی جماعت تفقہ فی الدین کے لئے بھی رہنی چاہئے تھی۔

صاحبو! یہ ہے شریعت مقدسہ کہ ہر کام کے لیے ایک خاص جماعت ہونا چاہیے۔ سب کے سب ایک ہی کام میں نہ لگیں۔ غرض ایک جماعت تعلیم وتدریس میں مشغول ہو اور ایک جماعت وعظ وتبلیغ میں مشغول ہو۔ پھر اگر تم سے توکل ہو سکے تو پھر کسی کا انتظار نہ کرو۔ خدا پر بھروسہ کر کے چل کھڑے ہو۔

ان شاء اللہ وہ تمہاری ضروریات کو پورا کر دیں گے۔ اور توکل نہ ہو سکے تو اپنے شغل ومعاش میں لگ کر جتنا کام تبلیغ کا کر سکو اتنا ہی کرو۔ مثلاً اپنے محلہ میں وعظ کہو۔ اور گاہے گاہے آس پاس وعظ کہا کرو۔ علماء نے یہ کام آجکل بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء کا کام تھا۔ اسی لیے آج کل واعظ جہلا زیادہ نظر آتے ہیں علماء واعظ بہت کم ہیں تو اپنے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنا دیا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا۔ یعنی تعلیم درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہ کریں گے تو کیا جہلاء کریں گے اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں۔

اتخذوا رؤسا جهالا فضلوا واضلوا۔

(جہال کو انہوں نے پیشوا مقتدا بنالیا ہے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) کہ یہ جہلاء مقتدا و پیشوا شمار ہو گئے۔ لوگ انہی سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اس لیے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ وتبلیغ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں اور سننے والا ایک ہے یا مجمع ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مسجد میں وعظ فرمایا۔ ختم وعظ پر ایک شخص آیا۔ اس نے آہ بھر کر کہا کہ افسوس میں بہت دور سے وعظ

سننے آیا تھا۔ یہاں ختم بھی ہولیا۔ مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ بھائی تم افسوس نہ کرو۔ آؤ میں تم کو سارا وعظ دوبارہ سنا دوں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کے سامنے سارا وعظ دہرایا۔

صَاحِبُو! اخلاص کے بعد اس پر نظر نہیں ہوا کرتی کہ سننے والے کتنے ہیں اگر ایک بھی سننے والا ہو تو غنیمت سمجھو۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ جو سید صاحب بریلوی کے خلفاء ہیں ان کو سید صاحب نے حکم دیا تھا کہ وعظ کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ سنے گا کون؟

سید صاحب نے فرمایا تم دیوار کی طرف منہ کر لیا کرو اور سامعین کو دیکھا ہی مت کرو تا کہ مجمع کا ہونا نہ ہونا معلوم ہی نہ ہو اول اول یونہی وعظ کہتے رہے پھر تو یہ حالت تھی کہ لوگ دور دور سے آپ کے وعظ کے اشتیاق میں اس کثرت سے آتے تھے کہ جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ پس مجمع کے کم وبیش ہونے پر نظر نہ کرو کام شروع کر دو پھر اثر بھی ہونے لگے گا۔ یہ تو اسی علم کی تکمیل کا طریقہ تھا جو مقصود بالغیر ہے۔

باقی اور اصل مقصود وہ علم ہے جس کے ساتھ قلب میں خشیت بھی پیدا ہو۔ اس کا حاصل کرنا بھی ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ مگر عادتاً یہ بدوں صحبت شیخ کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیئے قال و قیل کو کچھ دنوں کے لیے ترک کرنا اور کسی شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنا شرط ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

از قال و قیل مدرسہ حالے دلم گرفت ☆ یک چند نیز خدمت معشوق می کنم

(مدرسہ کے قیل و قال سے اب میرا دل رنجیدہ ہو گیا۔ اب کچھ دنوں شیخ کامل کی خدمت کرتا ہوں۔)

قال را بگذار و مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

(یعنی قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو۔ یہ اس وقت پیدا ہو گا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ)

مگر اس میں ایک ترتیب بھی ہے اور وہ ترتیب ہر شخص کے لیے جدا ہے اس کو میں اس مجلس میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کو صحبت شیخ پر رکھو جب تم کسی سے رجوع کرو وہ خود ترتیب بتلا دے گا۔ (جلد 2، وعظ العلم والخشیہ، ص: 304)

جدید تعلیم کی خرابیاں

میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء ہرگز اس سے منع نہ کرتے لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں باستثناء شاذ و نادر ان کو نہ نماز سے غرض ہے نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہو رہی ہے۔

صاحبو! موٹی بات ہے کہ جب ان میں اسلام کی کوئی بات نہ رہی تو وہ اسلام کی ترقی کہاں ہوئی البتہ مال و جاہ کی ترقی ہوئی۔ سو اسلام روپیہ اور جاہ کو تو نہیں کہتے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو محتاج تفسیر نہیں چھوڑا۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی اس کی تفسیر کا خاص اہتمام فرمایا اور عجب نہیں کہ اسی زمانہ کے لیے اہتمام کیا ہو۔

بیان اس کا یہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے بہت سی باتیں نہیں پوچھ سکتے تھے تو خدا تعالیٰ نے ایک بار جبرئیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بشکل انسان بھیجا۔ وہ ایک مجلس عام کے وقت تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسروں کے سنانے کو چند سوال کیے۔ چنانچہ ان سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ما الاسلام یعنی اسلام کیا چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوة وايتاء الزكوة وصوم رمضان وان تحج البيت (الحدیث)

شہادتوں کا اقرار کرو۔ دل سے بھی اور زبان سے بھی ظاہر ہو اور نماز و زکوٰۃ و صوم و حج کا ادا کرنا۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے اسلام کی حقیقت معلوم ہو

گئی تو اسلام کی ترقی تو یہ ہوگی کہ ان احکام کے امتثال میں ترقی ہو۔ نماز میں ترقی ہو۔ روزے میں ہو۔ نہ یہ کہ ٹم ٹم ہو اور عالی شان محل ہو۔ یعنی اس کو اسلام کی ترقی نہ کہا جائے گا۔ غرض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تفسیر فرما چکے ہیں تو آج کون ہے کہ وہ بڑے بڑے عہدوں کو اور مال وجاہ کی ترقی کو اسلام کی ترقی بتلائے۔

(جلد 2، وعظ فضل العلم والعمل، ص: 341)

صورت اور حقیقت کا فرق

صاحبو! کیا جنت تھوڑی چیز ہے۔ ابھی چونکہ دیکھا نہیں اس لئے جنت کی کچھ قدر نہیں ہے۔ جب دیکھو گے تو حقیقت کھلے گی اور جنھوں نے ان چیزوں کو دل کی آنکھوں سے آج دیکھ لیا ہے ان کی وہی حالت ہے جو دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔

رہا یہ شبہ کہ جب ہوگا تب ہوگا اس وقت تو مصیبت میں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ کی غلطی ہے اللہ سے تعلق رکھنے والا کبھی مصیبت میں نہیں ہے بات یہ ہے کہ جس چیز کا نام آپ نے مصیبت رکھا ہے وہ مصیبت ہی نہیں ہے۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ جس طرح آرام کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہوتی ہے اسی طرح مصیبت کی ایک صورت اور حقیقت ہوتی ہے۔ دیکھو! اگر ایک شخص کا محبوب مدت کا بچھڑا ہوا اچانک مل جائے اور اس عاشق کو بہت زور سے اپنی بغل میں دبائے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں بھی ٹوٹنے لگیں تو بظاہر یہ نہایت تکلیف میں ہے لیکن قلب کی یہ حالت ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اور اس عاشق کو بہت زور سے اپنی بغل میں دبائے تو اچھا ہے اور اگر محبوب کہے کہ تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں تو جواب میں کہے گا کہ ؂

اسیرت نہ خواہد رہائی زبند شکارت نہ جوید خلاص ازکمند

(تیرا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا، تیرا شکار کمند سے چھٹکارا حاصل کرنا نہیں چاہتا)

اور اگر وہ کہے کہ اگر تم کو دبانے سے تکلیف ہو تو تم کو چھوڑ کر تمہارے اس رقیب کو

اسی طرح دباؤں تو کہے گا

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا کرے یہ دشمن کا نصیب نہ ہو کہ وہ تمہاری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرتا رہے)۔...اور کہے گا

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ☆ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حتیٰ کہ اگر اس کا دم بھی نکل جائے تو اس کے لئے عین راحت ہے۔ حالانکہ بظاہر یہ نہایت ہی تکلیف میں ہے کہ اگر کسی اجنبی کو جس کو علاقہ محبت معلوم نہ ہو اس کی خبر ہو تو وہ بہت رحم کھائے اور محبوب سے سفارش کرے لیکن عاشق کو یہ رحم اور سفارش بے رحمی اور عداوت نظر آئے گی کیونکہ جانتا ہے کہ اس سفارش کا اثر یہ ہے کہ محبوب چھوڑ کر ابھی علیحدہ ہوا جاتا ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو گیا ہے وہ آپ کی اس خیر خواہی کو کہ ہائے یہ اللہ والے بڑی مصیبت میں ہیں ان کو اس سے نکلنے کی تدبیر بتلائیں، نہایت ناگوار سمجھتے ہیں۔ (جلد 2، وعظ الفضل العلم والعمل، ص: 352)

نفس کی پہچان کا معیار

صاحبو! محبت کا ایک رنگ یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو محبوب کے سوا سب کو چھوڑ کر اسی کے مشاہدہ میں لگا رہے لیکن اگر خود محبوب ہم کو کسی جماعت کا حاکم بنا دے تو حکومت کے انتظام میں مشغول ہونا یہ بھی عین مشاہدہ ہے۔

یہ شخص اس حالت میں بھی ذاکر اور صاحب مشاہدہ ہے۔ اب یہ بات باقی رہی کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم اپنے نفس کو خوش کرنے کے واسطے انتظام کر رہے ہیں یا محض حکم محبوب کی وجہ سے۔ تو اس کا معیار یہ ہے کہ اگر یہ شخص ان محکومین کو اپنے سے کم نہ سمجھے گا۔ گو کام تو کرے بڑا ہو کر مگر اعتقاد میں سب کو اپنے سے بڑا سمجھے تو یہ اس کی علامت ہو گی کہ یہ محض محبوب کے حکم کی وجہ سے سیاست خلق میں مشغول ہے نفس کے لیے کام نہیں کر رہا۔ چنانچہ اہل اللہ کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو سزا بھی دیتے ہیں

اور عین اس حالت میں اپنی سیاست کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے بادشاہ نے بھنگی کو حکم دیا ہو کہ شاہزادہ کے سو بیت مارو۔ تو وہ حکم شاہی کی تعمیل ضرور کرے گا۔ مگر شاہزادے سے افضل ہونے کا اسے وسوسہ بھی نہ آئے گا۔ (جلد 2، وعظ اکبر الاعمال، ص: 395)

جلد ③... تشبہ بالکفار کی صورت

بعض بات ظاہر میں چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر اس کا منشاء بڑا ہوتا ہے۔ عوام اس کو نہیں سمجھتے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کے معاملات میں بھی ایسے لوگوں سے سخت غلطی ہوتی ہے کہ بعض امور عظیمہ کو چھوٹا سمجھ کر اس پر دلیر ہو جاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ خدا کی ذات بہت بے پروا ہے ان کے یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہیں ہوتی۔ سو یہ سخت غلطی ہے جس کو تم چھوٹی سمجھتے ہو وہ ممکن ہے کہ واقعہ میں بہت بڑی ہو۔

صاحبو! اول تو خدا تعالیٰ کے بہت حقوق ہیں۔ اس کے اعتبار سے وہاں کوئی مخالفت چھوٹی نہیں ہوتی اور اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ پھر کیا صغیرہ پر بھی عذاب ہوگا تو صغیرہ و کبیرہ میں کیا فرق رہا۔ جواب یہ ہے کہ اہلسنت نے اس حقیقت کو سمجھا ہے۔ صغیرہ پر بھی تعذیب کو جائز رکھا ہے اور صغیرہ کو جو صغیرہ کہتے ہیں وہ دوسرے اس سے بڑے گناہ کے اعتبار سے ہے نہ یہ کہ واقعہ میں چھوٹا ہے۔ پس یہ فرق اعتباری ہے ورنہ حقیقت میں عظمت خداوندی پر نظر کرنے کے بعد تو ہر گناہ کبیرہ ہے۔ دوسرے اس سے قطع نظر کر کے بھی بعض گناہ کی حقیقت شدید ہوتی ہے۔ گو صورتاً کسی نظر سے بوجہ تامل خفیف معلوم ہو۔

چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ ایک دن جا رہے تھے۔ ہولی کا دن تھا ہندو آپس میں ایک دوسرے پر رنگ ڈال رہے تھے۔ بازار میں ہر شے رنگین نظر آتی تھی۔ انہوں نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس پر رنگ نہیں تو ہنس کر کہا تجھے کسی نے نہیں رنگا۔ لا تجھ کو میں رنگ دوں اور پان کی پیک اس پر ڈال دی۔ جب مر گئے تو کسی کو مکشوف ہوا کہ ان کی نسبت حکم ہوا کہ ان کو ہولی والوں میں لے جاؤ کیونکہ انہوں نے گدھے پر پان کی پیک ڈال کر ہولی والوں میں شرکت کی تھی۔

صاحبو! پان کی پیک ڈالنا چھوٹی بات نہیں۔ اس میں تشبہ بالکفار تھا جو بڑی بات ہے تو گناہ کو چھوٹا سمجھنے سے اور اس پر مواخذہ سننے سے کبھی خدا پر بھی لوگوں کا یہ گمان ہو جاتا ہے کہ اللہ میاں بہت غصہ فرماتے ہیں۔ ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ غرض اخلاق کی تفسیر میں ایسا ہی لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے۔ جس میں خواص تک مبتلا ہیں۔ (جلد 3، وعظ الدین الخالص، ص:22)

موت کی رسمیں

ضلع بلند شہر میں ایک رئیس کا انتقال ہو گیا۔ چالیسویں دن رسم ادا کرنے کو ان کے تمام عزیز و اقارب دوست احباب ہاتھی گھوڑے لے کر جمع ہوئے رئیس زادے نے سب کی خاطر و مدارات کی اور عمدہ عمدہ کھانے پکوائے۔

جب کھانے کا وقت آیا اور تمام لوگ دسترخوان پر جمع ہو گئے اور سب کے آگے کھانے چن دیئے گئے، رئیس زادے نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ صاحبو کھانے سے پہلے میری ایک بات سن لیجئے پھر کھانا شروع کیجئے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ لوگ اس وقت کس لئے جمع ہوئے ہیں۔ چونکہ مجھ پر ایک بڑا حادثہ گزرا ہے کہ میرے والد کا سایہ میرے سر پر سے اٹھ گیا ہے۔ اس لئے آپ لوگ میرے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ تو کیا ہمدردی اسی کا نام ہے کہ میں تو غم میں مبتلا ہوں اور اس کی وجہ سے نہ کھانے کا رہا نہ پینے کا اور آپ لوگ آستینیں چڑھا کر عمدہ عمدہ کھانے کھانے بیٹھ گئے۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ بس اب کھانا شروع کیجئے۔

مگر اب کون کھاتا تمام شرما کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کیا کہ واقعی یہ چالیسویں کی رسم اٹھا دینے کے قابل ہے۔ چنانچہ سب نے متفق ہو کر اس رائے پر دستخط کر دیئے اور وہ تمام کھانا غرباؤں کو تقسیم کرا دیا گیا۔ حقیقت میں اگر غور کرو تو یہ سارے کھانے جو برادری کو کھلائے جاتے ہیں اسی قسم کے ہیں جن سے کھلانے والے

کو بجز تکلیف کے اور کھانے والے کو بجز بے حیائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اب بھی لوگ مولویوں ہی کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں۔

صَاحِبُو! ایصال ثواب سے کوئی منع نہیں کرتا البتہ بے ڈھنگے پن سے منع کیا جاتا ہے۔دیکھو اگر کوئی قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھے تو اس کو منع کریں گے یا نہیں۔اگر شریعت کے موافق عمل ہو تو پھر دیکھو کون منع کرتا ہے۔جس کی بڑی شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو۔یعنی ثواب کی نیت سے کیا جائے۔(جلد 3،وعظ الدین الخالص،ص:46)

دین کی محبت

صَاحِبُو! پرانے لوگوں میں بھی گنہگار تو ہیں فاسق بھی ہیں مگر ان کی حالت یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے جھک جاتے ہیں۔اگر ان کو عذاب آخرت سے ڈرایا جائے تو ڈر جاتے ہیں۔وہ اپنے کو اہل الرائے نہیں سمجھتے۔اسی لئے ان کا ایمان سلامت ہے۔ باقی جہاں نئی تعلیم ہے اور نری تعلیم ہی تعلیم ہے وہاں تو ایمان کی خیر صلا ہے۔نہ ان میں دین کی محبت ہے نہ اہل دین کی عظمت ہے۔ہر شخص اپنے کو صاحب رائے سمجھتا ہے اور علماء سے مسائل دینیہ میں مزاحمت کرتا ہے باقی جہاں نئی تعلیم کے ساتھ یہ دونوں دولتیں بھی ہوں یعنی دین کی محبت اور اہل اللہ کی صحبت تو وہاں اس سے دین کا کچھ ضرر نہیں ہوتا بلکہ وہاں دنیا کے ساتھ دین بھی جمع ہو جاتا ہے۔اسی محبت وعلم دین کی نسبت کہتے ہیں۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

اس زمانہ میں جو رفیق خلل سے خالی ہے وہ محبت الٰہی اور دین ہے۔

(جلد 3،وعظ تفصیل الدین،ص:84)

تقلید کی ضرورت

صَاحِبُو! دنیا میں بھی تو آپ بہت جگہ عقل کو چھوڑ کر کسی نہ کسی کا اتباع کرتے ہیں۔جب آپ بیمار ہوتے ہیں تو عقل سے اتنا کام تو لیتے ہیں کہ اطباء موجودین میں

سے کون زیادہ حاذق و تجربہ کار ہے۔ جب ایک طبیب کا حاذق ہونا معلوم ہو گیا تو پھر آپ اس کے پاس جاتے ہیں اور وہ نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کرتا ہے۔ پھر آپ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ اس نسخہ میں فلاں دوا کیوں لکھی اور فلاں کیوں نہیں لکھی۔

اور اس دوا کا وزن چار ماشے کیوں لکھا چھ ماشے کیوں نہ لکھا ہم نے کسی کو طبیب سے ان باتوں میں الجھتا ہوا نہیں دیکھا اور اگر کوئی اس سے الجھنے لگے تو سب عقلاء اس کو بے وقوف بتاتے ہیں اور طبیب بھی صاف کہہ دیتا ہے کہ اگر تم میرے پاس مجھ کو طبیب سمجھ کر آئے ہو تو جو نسخہ میں تجویز کر دوں اس میں تم کو چون و چرا کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر چون و چرا کرتے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھ کو طبیب نہیں سمجھتے۔ پھر میرے پاس کیوں آئے تھے اور اس کے اس جواب کو تمام عقلاء صحیح کہتے ہیں۔

پھر حیرت ہے کہ رسول کو رسول تسلیم کرنے اور کلام اللہ کو کلام اللہ مان لینے کے بعد عقل کو ان کے تابع نہ کیا جاوے اور بات بات میں الجھا جائے کہ یہ تو خلاف عقل ہے ہم اسے کیوں کر مان لیں۔ صاحب اگر تم نے رسول کو رسول مان لیا ہے تو پھر ہر بات کو بلا چون و چرا ماننا پڑے گا اور یہ کہنے کا حق نہ ہو گا کہ ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی ورنہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اب تک رسول کو رسول ہی نہیں سمجھا اور کلام اللہ کو کلام اللہ ہی نہیں مانا۔ افسوس! دنیا کے کاموں میں تو عقل کی ایک حد ہو اور طبیب کو طبیب مان لینے کے بعد اس کی تجویز میں عقل کو دخل نہ دیا جاوے اور امور آخرت میں اس کی کوئی بھی حد نہ ہو۔

صاحبو! جب دنیا کے کام بدون اس کے نہیں چل سکتے کہ عقل کو ایک حد پر چھوڑ دیا جائے اور بلا چون و چرا دوسرے کا اتباع کیا جائے تو آخرت کا کام بدون اس کے کیونکر چلے گا کیونکہ دنیا کی چیزیں تو دیکھی ہوئی بھی ہیں۔ ان میں کسی قدر عقل چل سکتی ہے پھر بھی اس کو چھوڑ کر کاملین و ماہرین کی تقلید کی جاتی ہے اور آخرت سے تو ہم سب اندھے ہیں وہاں بدون تقلید وحی کے کیسے کام چلے گا اور اگر اس میں عقل سے کام لیا گیا تو وہی مثال ہو گی جیسے ایک اندھے نے کہا تھا کہ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ (جلد 3 ہوۃ تفصیل بالدین ص:98)

احوال غیر اختیاری ہیں

صاحبو! یہ تو احوال ہیں جو غیر اختیاری ہیں۔ مطلوب وہ امور ہیں جو بندہ کے اختیار میں ہیں۔ یعنی اخلاق حمیدہ کا حاصل کرنا اور رزائل کا علاج کرنا اسی طرح کشف بھی مطلوب نہیں کشف ہوتا ہو اس کے لئے نعمت ہے شکر کرے بشرطیکہ غوائل کبر و عجب وغیرہ سے محفوظ ہو اور جس کو نہ ہوتا ہو اس کے در پے نہ ہو وہ سمجھ لے کہ میرے لئے کامیابی کا طریقہ یہی تجویز کیا گیا ہے کہ کشف نہ ہو کیونکہ بعض دفعہ کشف سے انسان بہت سی بلاؤں میں پھنس جاتا ہے۔ بس تم اپنے لئے کوئی طریقہ تجویز نہ کرو۔

بدردو صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف است

تجھے صاف اور گندے سے مطلب نہیں تو خاموش رہ جو کچھ ساقی نے ہمارے پیالہ میں ڈال دیا ہے وہ عین لطف ہے۔ اور فرماتے ہیں

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

حافظ تو بندگی بشرط مزدوری فقیروں کی طرح مت کر اس لئے کہ آقا بندہ پروری کا طریقہ خود خوب جانتے ہیں۔

اور ساری وجہ پریشانی کی یہی ہوتی ہے کہ لوگ حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میں نے بتلا دیا کہ یہ مقاصد میں سے نہیں محض توابع و ذرائع ہیں۔ جو ہر ایک کو مختلف طور پر پیش آتے ہیں۔ (جلد 3، وعظ تفصیل الدین، ص:128)

تنگی کی حقیقت

سوچئے کہ آپکو شریعت پر عمل کرنے میں تنگی کیوں پیش آتی ہے محض اسی وجہ سے کیونکہ آپ تنہا اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور باقی تمام تجار اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے۔ آپ سود کی ڈگری نہیں دینا چاہتے مگر مدعی سود لینا چاہتا ہے اگر آپ ڈگری نہ دیں گے

تو وہ اپیل کر کے سود وصول کر لے گا۔ایک محکمہ میں ہزار آدمی ملازم ہیں۔ان میں دو چار آدمی نماز کے وقت کام کرنا نہیں چاہتے۔باقی تمام ملازم نماز کے ضائع کرنے پر راضی ہیں اس لئے ان دو چار آدمیوں کو تنگی پیش آتی ہے اگر سب اس کا ارادہ کر لیں کہ ہم نماز کو کبھی ضائع نہ کریں گے تو حاکم محکمہ ضرور اس کے لئے قانون بنانے پر مجبور ہوگا۔علیٰ ہذا تمام صورتوں میں غور کر لیجئے کہ شریعت پر عمل کرنے میں تنگی محض اس وجہ سے پیش آئے گی کہ ایک کام کا تعلق پوری جماعت سے ہے جن میں صرف دو چار آدمی شریعت پر عمل کا قصد کرتے ہیں اور زیادہ حصہ عمل کرنا نہیں چاہتا اب آپ ہی بتلایئے کہ یہ تنگی احکام شرعیہ میں ہے یا آپ کے تمدن و معیشت میں....؟

صاحبو! اس طرح تو آسان سے آسان کام بھی دشوار ہو جائے گا۔دیکھئے کھانا کھانا کتنا آسان ہے لیکن اگر آپ کسی ایسے گاؤں میں پہنچ جائیں جہاں نہ آٹا بلتا ہو نہ لکڑی داموں سے ملتی ہو نہ دال اور گھی ملتا ہے تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کھانا بہت دشوار چیز ہے۔ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس گاؤں کا تمدن تنگ ہے۔یا آپ کھانا چاہتے ہیں لیکن آپ کے سر پر دس ڈاکو آ کر کھڑے ہو جائیں کہ جب لقمہ اٹھاؤ وہ چھین کر کھا جاتے ہیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کھانا مشکل کام ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ آپ کی معاشرت تنگ ہے ڈاکوؤں کی جگہ سے علیحدہ ہو کر دکھاؤ دیکھو کھانا کتنا آسان ہے۔اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ کسی ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں عموماً سب لوگوں کو شریعت پر عمل کرنے کا اہتمام ہو۔پھر بتلایئے کہ شریعت میں کیا تنگی ہے۔(جلد 3،وعظ الکمال فی الدین،ص:140)

لفظ لواطت کا غلط استعمال

صاحبو! مجھے تو اس فعل کے لئے لفظ لواطت کا استعمال بہت ہی ناگوار ہوتا ہے کیونکہ لواطت کا لفظ لوط علیہ السلام کے نام سے بنایا گیا ہے تو ایسے گندے کام کا

نام نبی کے نام سے مشتق کرنا بہت ہی نازیبا ہے جس نے یہ لفظ ایجاد کیا ہے بہت ہی ستم کیا ہے میرے نزدیک یہ لفظ عربیت میں دخیل اور مولد ہے۔

فصحائے عرب کے کلام میں اس کا استعمال نظر سے نہیں گزرا۔ عربی میں اس کے لئے اتیان فی الدبر کا لفظ معلوم ہوتا ہے یا اور کوئی لفظ بھی ہو۔ بہرحال لواطت کا لفظ قابل ترک ہے اور میرے نزدیک اغلام کا لفظ بھی مولد ہے عربی فصیح میں اس کا بھی استعمال نہیں ہے۔ یہ سب بعد کے گھڑے ہوئے ہیں۔

غرض اس فعل کی خباثت عقلاً ونقلاً ہر طرح ثابت ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے خود ہی انکار کرتی ہے اس فعل پر سوائے بدطینت آدمی کے اور کوئی سبقت نہیں کرسکتا ایک کھلا ہوا فرق شہوت بالنساء اور شہوت بالرجال میں یہ ہے کہ عورت سے قضائے شہوت کرنے کے بعد اس میں محبت بڑھتی ہے اور مرد کی عزت عورت کی نظر میں بڑھ جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ یہ مرد ہے نامرد نہیں ہے اور لڑکوں سے قضائے شہوت کر کے ایک دوسرے کی نظر میں اسی وقت ذلیل وخوار ہو جاتا ہے پھر بہت جلد مفعول کے دل میں عداوت ایسی قائم ہو جاتی ہے کہ وہ دوسرے کی صورت سے بیزار ہو جاتا ہے۔

(جلد 3، وعظ الکمال فی الدین، ص:203)

خدائی کمند

ایک بادشاہ اپنے بالا خانے پر بیٹھا ہوا تھا کہ نیچے سے ایک درویش کا گزر ہوا بادشاہ نے درویش کو آواز دی کہ ذرا میرے پاس آؤ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے اس نے کہا میں تمہارے پاس کیونکر آؤں تم بالا خانے پر میں زمین پر اور محل کا دروازہ دور کیونکہ شاہی محلات کا بڑا دروازہ وہاں سے دور تھا اور جس بالا خانے پر بادشاہ تھا وہاں بہت سے دروازے اور درجے طے کر کے پہنچنا ہوتا تھا بادشاہ نے فوراً ایک کمند لٹکا دی کہ اس کو پکڑ لو درویش نے اس کو پکڑ لیا بادشاہ نے کھینچ لیا دو منٹ میں اوپر آ گیا۔

جب وہ اوپر پہنچ گیا تو بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ تم خدا تک کیوں کر پہنچے انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ جیسے تم تک پہنچا۔ خدا تک پہنچنا تو بہت مشکل تھا مگر میں نے خدائی کمند کو مضبوط پکڑ لیا تھا۔ انہوں نے خود ہی کھینچ لیا۔ سبحان اللہ خوب ہی جواب دیا۔

صاحبو! تم بھی خدا کی کمند کو مضبوط پکڑ لیتے تو اسی طرح تم بھی ان کی جذب سے واصل ہو جاتے مگر افسوس ہے کہ لوگ تو کمند الٰہی کو قطع کر رہے ہیں صاحبو! خدا کی کمند یہ ہے کہ انبیا مبعوث ہوئے جنہوں نے مخلوق کو خدا تک پہنچا دیا۔ انبیاء کے بعد علماء حقانی و اولیائے امت پیدا ہوئے جو ہر وقت مسلمانوں کو احکام الٰہی اور اس تک پہنچنے کا راستہ بتلاتے رہتے ہیں ترغیب و ترغیب ہو رہی ہے محبت الٰہی و معرفت کے فضائل و اصلاح نفس کا طریقہ بیان ہو رہا ہے مگر پھر بھی لوگوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ اور وہ اسی طرح غفلت میں پڑے ہوئے ہیں پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ جو ان کو خدا تک پہنچانا چاہے اس پر طعن و ملامت چاروں طرف سے ہوتی ہے محض اس لئے کہ وہ ان کو ان کاموں سے منع کرتا ہے جو وصول الی اللہ سے مانع ہیں پس یہی کمند الٰہی کو قطع کرنا ہے جب تم خود نہ پہنچنا چاہو تو خدا کو کیا غرض پڑی ہے کہ جو خوشامد کر کے تم کو پہنچاوے۔

اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ۔ (جلد 3، دعوۃ الکمال فی الدین، ص:209)

عظمت کا اثر

بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر اس میں معذوری بیان کی جا سکتی ہے جیسے رشوت کا دینا یا بعض اوقات میں لینا اگرچہ واقعیت کے اعتبار سے اس میں بھی کوئی معذوری نہیں ہے لیکن وضع میں تو کوئی مجبوری واہی بھی نہیں مگر وضع کا چھوڑنا دشوار ہو رہا ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ عظمت نے اس کو محبوب بنا دیا ہے تو اہل دنیا کی عظمت نے جب یہ رنگ دکھلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کیوں یہ رنگ نہ دکھلاتی۔

صاحبو! اس کا کوئی شافی جواب دیجئے کہ اطمینان ہو ورنہ اپنی حالت درست

کیجئے کیا جواب ہے اس کا کہ حضورؐ کی عظمت ومحبت سے تو ذرا بھی رنگ نہ بدلے اور ایک بے دین کی ایسی عظمت ہو کہ اس کی تقلید میں حلال وحرام کی بھی تمیز نہ رہے میں کہتا ہوں کہ اگر اس پر عذاب بھی نہ ہو صرف خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو کھڑا کر کے یہ پوچھ لیں کہ حضورؐ کی عظمت تمہارے دلوں میں زیادہ تھی یا شاہان دنیا کی تو کیا جواب دو گے؟ اگر کہو کہ یہ اتباع عظمت کی وجہ سے نہیں تو میں کہوں گا کہ بالکل غلط ہے بلکہ محض عظمت ہی کی وجہ سے ہے پس معلوم ہوا کہ لباس میں بھی حضورؐ کا اتباع کرنا چاہئے اور معاملات میں بھی۔

اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک اور وہ ما انا علیہ واصحابہ (تفسیر قرطبی ۴:۱۶۰، ۱۲:۱۳۰، ۱۱: تفسیر ابن کثیر ۴:۲۳۰۔) ہے۔ ما انا علیہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بعینہ وہی لباس ہو بلکہ اگر قولی اجازت ہو تو اس پر عمل کرنے والا بھی عامل بالسنت ہے تو یہ حکمت تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد میں وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا یعنی یہ کہ آپ ایک نمونہ ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ضرورت کو محسوس فرما کر دعا کی کہ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

(اے ہمارے رب ان میں ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجئے جو انہی میں سے ہو۔ (جلد 3، وعظ ضرورت الاعتناء بالدین، ص:254)

علم وعمل کی کمی

آج کل کے عقلاء کا تو اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ قرآن پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے چنانچہ اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھاتے اور کہتے ہیں کہ بچے کے اتنے دن کیوں ضائع کئے جائیں میں کہتا ہوں کہ اگر تلاوت ایک بے کار اور فضول چیز ہے تو قرآن مجید میں جو جا بجا تلاوت کی فضیلت آئی ہے اور حکم فرمایا ہے اور تلاوت کرنے والوں کی مدح فرمائی گئی ہے کیا یہ سب ترغیب اور حکم محض بے کار چیز پر ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیا گیا کتاب میں اس کی تلاوت کیجئے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وہ ساری رات اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔

کیا قرآن کے یہ اجزا عمل کرنے کے لئے نہیں محض دیکھنے کے لئے ہیں؟ اور کیا یہ حالت پیدا کر کے ہم لوگ صاحب کتاب کہلانے کے مستحق ہیں؟

صَاحِبو! اگر کسی شخص کے پاس بہت سامال ہو اور وہ اس کو کسی ایسی جگہ رکھ دے کہ اس سے منتفع نہ ہو سکے تو کیا اس شخص کو مالدار کہیں گے۔ پس ایسی حالت میں جیسا وہ صاحب مال ہے ایسے ہی آپ صاحب کتاب ہیں۔ افسوس آپ نے ایک عظیم الشان دولت کو چھوڑ دیا ہے اور پھر آپ کو ذرا غم نہیں ہے حالانکہ اگر دینی پہلو سے دیکھا جاوے تب تو قرآن ہی میں یہ حکم موجود ہے اور اگر کسی کو قرآن میسر نہ ہو تو میں عقلی قواعد کی رو سے پوچھتا ہوں کہ آیا علوم دینیہ کا باقی رکھنا ضروری ہے یا نہیں یقیناً اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ضروری ہے اور جب ضروری ہے تو چونکہ قرآن ان کا منبع ہے اس کا محفوظ رہنا بھی ضروری ہوگا ورنہ وہ کون سی صورت ہے کہ علم بدون الفاظ کے باقی رہ سکے۔ اگر کہو کہ عربی ہی کی کیا ضرورت ہے تو میں کہوں گا کہ ترجمہ کبھی کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ ذو وجوہ ہوتے ہیں اور ان کی مختلف تفسیریں ہوتی ہیں اب اگر الفاظ کو نہ لیا جائے تو اسکی وہ حالت ہوگی جو کہ آج کل توریت و انجیل کی حالت ہو رہی ہے کہ طالب حق کو اصل احکام معلوم ہی نہیں ہوتے معلوم ہوا کہ اصل الفاظ کا باقی رہنا نہایت ضروری ہے۔ (جلد 3، وعظ ضرورۃ العلم بالدین، ص:276)

شانِ اولیاء

صَاحِبو! اصل مقصود محض دین ہے جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو دوسرے مقاصد خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو لوگ خدا کے کام میں لگے

ہیں ان میں کوئی بھی پریشانی میں مبتلا نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ اس قدر آسائش میں ہیں کہ اہل دنیا کو بھی اتنی آسائش نصیب نہیں ہے اور امتحان اس کا یہ ہے کہ اول ایک بڑے سے بڑے دنیادار کے پاس ایک مہینہ رہے اس کے بعد اہل اللہ میں سے کسی کے پاس ایک مہینہ بھر رہ کر دیکھئے۔ پھر دونوں کی حالت میں موازنہ کیجئے۔

آپ کو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دنیادار طرح طرح کے افکار میں مبتلا ہے اور یہ دین دار پریشانی سے محفوظ و مامون ہے۔ یہ تو مال کی غایت تھی۔

رہی جاہ اس میں بھی اہل اللہ اہل دنیا سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں عزت جس چیز کا نام ہے وہ انہی حضرات کو نصیب ہے کیونکہ عزت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو عزت زبان سے اور ایک دل سے اہل دنیا کی جو کچھ عزت ہوتی ہے وہ محض زبان اور ہاتھ پیر سے ہوتی ہے یعنی لوگ ظاہر میں ان کی عزت کرتے ہیں دل میں کسی قسم کی وقعت ان کی نہیں ہوتی اور اہل اللہ کی عزت دل سے ہوتی ہے۔

دوسرے اہل دنیا اور اہل اللہ میں اس سے بھی زیادہ ایک فرق ہے اور وہ ایک تمدنی مسئلہ ہے۔ یعنی معزز وہ شخص کہلائے گا کہ جو اپنی قوم میں معزز ہو ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مجموع مرکب میں قوم وہ جماعت ہے۔

جس کے آحاد زیادہ ہوں جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ گیہوں کا ڈھیر وہ کہلائے گا جس میں گیہوں زیادہ ہوں۔ اس پر قیاس کر کے اب میں پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں میں زیادہ افراد کن لوگوں کے ہیں؟ غرباء کے یا امراء کے؟ ظاہر ہے کہ غرباء مسلمانوں میں زیادہ ہیں تو مسلمانوں کی قوم غرباء کی جماعت کا نام ہوگا اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ غرباء میں کس کی عزت زیادہ ہے اہل اللہ کی یا اہل دنیا کی ہر شخص جانتا ہے کہ اہل اللہ کی عزت غرباء میں زیادہ ہے تو قوم کے نزدیک معزز اہل اللہ ہوئے تو اس تمدنی مسئلے سے ثابت ہو گیا کہ مال اور جاہ سے جو امر مقصود ہے وہ اہل اللہ ہی کو حاصل ہے۔ (جلد 3، وعظ ضرورۃ العلم بالدین، ص:282)

فکر آخرت کی ضرورت

صاحبو! خدا تعالیٰ نے عقل اس واسطے دی ہے کہ اس سے انجام کو سوچے اور جیسا یہ انجام سوچنے کے قابل ہے کہ ہم آج پڑھ لیں گے تو کل ڈپٹی کلکٹری ملے گی۔ ایسا ہی اس سے آگے کا انجام بھی تو سوچنے کے قابل ہے کہ آخرت میں کیا ہوگا اور اگر کہو کہ آگے کوئی انجام نہیں تب تو پھر تم سے کوئی خطاب ہی نہیں لیکن چونکہ تم اگلے انجام کے بھی قائل ہو اس لئے پوچھا جاتا ہے کہ وہاں کیا ذخیرہ کی ضرورت نہ ہوگی؟ اور اگر ہوگی تو پھر قرآن کی تعلیم کو تضیع اوقات کس منہ سے کہا جاتا ہے۔ افسوس کہ دنیا میں رہنا محض موہوم اور اس کے لئے یہ کوشش اور آخرت میں جانا یقینی ہے اور اس کے لئے سامان کی ضرورت نہ ہو اور اس سامان کو اضاعت وقت کہا جائے۔ اصل یہ ہے کہ خود آخرت ہی سے اس درجہ غفلت ہوگئی ہے کہ وہ یاد ہی نہیں آتی۔ (جلد 3، وعظ ضرورۃ العلماء، ص: 311)

ضرورت اہل علم

بہت بڑی ضرورت دُنیا میں اہل علم اور دین کی ہے ان کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ مگر وابستگی کے یہ معنی نہیں کہ چندہ میں روپیہ دے کر بے فکر ہو جاؤ۔ روپیہ خدا دے گا بلکہ اس سے عمل کر لو اور ان سے مسئلے پوچھتے رہو تا کہ تم کو دین اور اہل دین کی محبت بڑھے اور تمہارے لئے یہ وعدہ صادقہ پورا ہو جائے کہ المرء مع من احب اور آدمی (قیامت میں) اس کے ساتھ ہوگا جسے (دنیا میں) دوست رکھتا ہے) اور اگر تم کو ان کی محبت ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ سے بھی تم کو محبت صادقہ ہو جائے گی۔ اور بعض لوگ خود تو علماء کی طرف متوجہ ہوتے نہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ علماء ہماری خبر نہیں لیتے۔ تو صاحبو! مریض طبیب کے پاس جایا کرتا ہے' طبیب مریض کے پاس از خود نہیں جایا کرتا۔ کیا وجہ ہے کہ سول سرجن کی شکایت نہیں کی جاتی کہ ہماری خبر نہیں لیتا۔ صاحبو! سول سرجن کی شکایت تو ناجائز اور علماء کی شکایت جائز۔

صاحبو! تم نے علماء کو اپنی خبر کب دی۔ اگر تم دو دفعہ جا کر ان کو اپنے مرض کی

خبر دو گے تو وہ ایسے شفیق ہیں کہ چار دفعہ خود آئیں گے۔ اب تو مولوی اس لئے بھی بچتے ہیں کہ ان کا از خود متوجہ ہونا خود غرضی پر محمول ہوگا۔ مشہور مقولہ ہے۔

نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر۔

وہ امیر اچھا شخص ہے جو فقیر کے دروازے پر حاضر ہو اور وہ فقیر برا ہے جو امیر کے دروازے پر جائے۔..... تو یہ معنی ہیں وابستگی کے اور جب آپ وابستہ ہوں گے تو وہ بھی آپ سے زیادہ متوجہ ہوں گے اس سے ملاپ پیدا ہوگا۔ مگر ابتداء اس کی اہل دنیا کی طرف سے ہونا چاہئے اور اس وابستگی کے ساتھ اپنے بچوں کو بھی علم دین پڑھایئے۔ (جلد 3، وعظ ضرورۃ العلماء، ص:336)

راضی برضا

ہم نے مسلمانوں کو بھی طاعون میں مرتے ہوئے دیکھا ہے کہ بڑے خوش وخرم جان دیتے تھے ہمارے یہاں ایک دفعہ طاعون بہت زور کا ہوا تو مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب سے پردیسی طلباء اپنے اپنے وطن جانے لگے کیونکہ مولانا کا اسی طاعون میں وصال ہو چکا تھا تو ان میں ایک طالب علم نور احمد نامی تھا جس کی عمر ۱۸ سال تھی گھر جانے کے لئے تیار تھا کہ رات ہی کو اسے بخار ہوا اور گلٹی نمودار ہوئی سب کو بڑا رنج ہوا کہ اس بے چارہ کو اپنے وطن کی کیسی حسرت ہوگی گھر جانے کو تیار بیٹھا تھا اور اب موت کا سامان ہونے لگا تو بعض لوگوں نے تسلی کے طور پر اس سے کہا کہ نور احمد گھبراؤ نہیں ان شاء اللہ تم اچھے ہو جاؤ گے اور تندرست ہو کر اپنے گھر جاؤ گے تو وہ کہنے لگا بس اب میرے واسطے ایسی دعا نہ کرو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے یہ دعا کرو کہ ایمان پر خاتمہ ہو جائے۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اسے گھر کی ذرا بھی حسرت نہیں چنانچہ ایک دو روز میں اس کا انتقال ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے جنازہ پر ایک نور تھا۔

صاحبو! بھلا ایسے لوگ کیا پریشان ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے ہر حکم پر راضی ہیں۔ کھانے کو کم ملے تو اس پر راضی‘ پہننے کو کپڑا اچھا پرانا ملے اس پر راضی‘ بیماری آوے تو اس پر راضی‘ پھر انہیں کاہے کا غم۔ ان کی طرف سے دنیا میں جو چاہے ہوتا رہے وہ کبھی پریشان نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ سب کو خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ (جلد 3، وعظ سبیل النجاح، ص:452)

اولیاء اللہ کی آزمائش

ایک بار حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی طرف چلے جا رہے تھے کہ غیب سے آواز آئی‘ اے شبلی! کیا یہ ناپاک قدم اس قابل ہیں کہ ہمارا راستہ ان سے قطع کیا جاوے‘ یہ کھڑے رہ گئے پھر آواز آئی کہ اے شبلی! تم کو ہماری طرف سے چلنے سے کیسے صبر آ گیا۔ حضرت شبلی ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے کہ نہ چلنے دیتے ہیں نہ ٹھہرنے دیتے ہیں۔

صاحبو! اگر آپ ایسے ایسے شکنجوں میں کسے جاتے تو پھر آپ کا کیا حال ہوتا۔ اب تو اتنا ہی ہے کہ ذکر میں مزا نہیں آتا۔ آپ اس سے ہی گھبرا گئے۔

اوّل تو اگر اس کلفت پر اجر بھی نہ ملتا‘ تب بھی آپ کیا کر لیتے محبت کا مقتضا یہ تھا کہ بدون اجر کے بھی اس پر راضی رہتے مگر اب تو اجر بھی ملتا ہے پھر ناگواری اور شکایت کیوں ہے اور اگر مزا مطلوب ہوتا تو آپ دنیا ہی میں کیوں آتے۔ مزا تو جنت میں تھا وہاں سے جو آپ دنیا میں آئے ہیں تو مزے کے لئے تھوڑا ہی آئے ہیں۔ بلکہ بدمزگی اور کلفت کے لئے آئے ہیں خوب کہا ہے۔

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ کہ ہم نے انسان کو مشقت میں مبتلا کر کے پیدا کیا

ہے اور جناب آپ تو کیا چیز ہیں اس کلفت سے تو بڑے بڑے بھی نہیں بچے۔
چنانچہ جب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اول وحی نازل ہوئی ہے تو پھر اس کے بعد تین برس تک منقطع رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک وحی کو ترستے رہے اور شدت حزن کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ پہاڑ پر سے گر کر اپنے کو ہلاک کرنا چاہتے تھے مگر فوراً جبریل علیہ السلام نمودار ہو کر آپ کو سنبھالتے تھے تو جب تین برس تک حضور کو کلفت میں رکھا گیا تو ہم کیا چیز ہیں۔ ہمیں تو اگر تین سو برس تک بدمزگی میں رکھا جائے تو حق ہے۔ (جلد 3، وعظ سبیل النجاح، ص:466)

انساب کو نہیں اَخلاق کو دیکھنا چاہیے

سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات سلف صالحین کا انتخاب انساب سے نہیں ہوتا بلکہ ملکات سے ہوتا تھا۔ یعنی جس شخص میں ملکات فاضلہ دیکھتے تھے ان کو علم دین کی تعلیم کامل دیتے تھے اور جس شخص میں ملکات رذیلہ دیکھتے تھے اس کو بقدر ضرورت سکھلا کر کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی رائے دیتے تھے۔
اگرچہ پہلا کسی ادنیٰ اور معمولی گھرانے کا ہو۔ اور دوسرا کسی عالی خاندان کا۔ اور اگر آپکو جلاہے تیلیوں سے اس قدر عار آتی ہے تو انکی جنت میں بھی نہ جایئے گا بلکہ فرعون و ہامان کیساتھ چلے جایئے گا کیونکہ وہ بہت بڑے لوگوں میں تھے۔
صاحبو! نسب کا علو اور سفل غیر اختیاری ہے اور ملکات کے مقتضا پر چلنا اختیاری ہے اور غیر اختیاری امور میں عزت یا ذلت نہیں ہوا کرتی۔ عزت و ذلت کا مدار اختیاری افعال ہوا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے قیامت میں ان انساب کا اعتبار نہ ہوگا۔
ارشاد خداوندی ہے: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ
اور اس روز ان کے درمیان نہ نسب و خاندان ہوں گے اور نہ اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔۔۔۔ پھر یہ کہ شریف تو پڑھیں نہیں اور اسافل کو پڑھنے نہ دیں۔ کیسا ظلم ہے۔ خدائی مذہب کا نشر اور اس کا شیوع تو ضرور ہونے والا ہے اور اس کے لئے ہر زمانے میں

غیب سے سامان ہوتا رہا ہے جس وقت تک شرفاء علم کی طرف متوجہ رہے خداتعالیٰ ان میں بڑے بڑے لوگ پیدا کرتا رہا۔ جن سے دین کی اشاعت ہوئی جب انہوں نے تقاعد کیا اور علم دین کی طرف سے روگردانی کی خداتعالیٰ نے یہ دولت دوسری قوموں کو دے دی۔ غرض انساب کو نہ دیکھئے اخلاق کو دیکھنا چاہئے۔ (جلد 3، وعظ تبیل النجاح، ص: 466)

مذہب کی روح

صاحبو! محبت سے وہ بات حاصل ہوگی اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اگرچہ کسی وقت نماز روزے میں کوتاہی ہو جائے اگرچہ یہ بات میرے کہنے کی نہیں ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص نماز و روزے کو خفیف سمجھ جائے مگر مقصود میرا جو کچھ ہے ظاہر ہے غرض ضرورت اس کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی اور نہ روزہ وہ حالت ہے جیسے طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔ ایک شاعر نے طوطے کی وفات کی تاریخ لکھی ہے لکھتا ہے۔

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربہ موت نے جو آدابا کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے

اس میں ۱۲۳۰ھ تاریخ موت نکلتی ہے یہ تاریخ اگرچہ ہے تو مسخرہ پن لیکن غور کیا جائے تو اس نے ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے یعنی یہ بتلا دیا کہ جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو حافظ قرآن بھی ہوگا تب بھی آٹے دال کا بھاؤ ہی دل میں لے کر مرے گا۔ جیسا کہ اس وقت غالب حالت رہتی ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے اور صاحبو! اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لئے اپنی اولاد پر رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے ڈگر پر چلاؤ۔ (جلد 3، وعظ طریق النجاۃ، ص: 509)

جلد... 4 ... تجوید قرآن کی مقدار

صَاحِبُو! قرأت میں عاصمؒ اور حفصؒ ہونے کی اور فقہ میں ابوحنیفہؒ ہونے کی تکلیف آپ کو نہیں دی جاتی صرف اس قدر تکلیف دی جاتی ہے کہ بقدر وسعت کوشش کرو اور بقدر ضرورت قرآن شریف کو صحیح کرلو۔ اگر آپ اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کریں تو قدر ضروری تو حاصل ہو جائے گا۔ بالفرض اگر کوشش پر کامیابی بھی نہ ہو تب بھی کچھ غم نہیں، اللہ میاں کے یہاں تو زمرہ قراء میں لکھ لئے جاؤ گے۔ کسی کا قول ہے۔

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم　　کہ من نیز از خریداران اویم

(ترجمہ: یہ ہی ہمارے لئے بہت ہے کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میں اس کے ساتھ ہوں اور میں اسکے خریداروں میں سے ہوں۔)... میں نے اپنے ایک بزرگ سے سنا کہ فرماتے تھے طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں۔ اور ظاہر بھی ہے کہ اللہ میاں نے تکلیف مالا یطاق نہیں دی صرف امور اختیاریہ کی تکلیف دی ہے اور مقصود تک پہنچ جانا بندے کے اختیار میں ہے۔ نہیں تو اس کی تکلیف کیوں ہوگی۔ کیا اچھا ہے۔

گر مرادت را مذاق شکر ہست　　بے مرادی نے مراد دلبر ہست

صَاحِبُو! ضروری قرأت کچھ مشکل بھی نہیں کل اٹھائیس حرف ہیں اگر ایک ایک دن میں ایک ایک حرف سیکھے تب اٹھائیس دن میں بقدر ضروری قاری بن سکتا ہے مگر بات یہ ہے کہ شیطان نے رہزنی کر رکھی ہے جب کوئی اس کا ارادہ کرتا ہے تب ہی وہ کہہ دیتا ہے میاں قرأت کہیں تمہارے بس کی ہے، جب کسی سے کہا جاتا ہے قرآن شریف صحیح کرو تو کہتے ہیں ہم بڈھے طوطے ہیں بھلا اولاد نے کیا قصور کیا ان کو کیوں نہیں سکھاتے؟ یاد رکھو جیسے اولاد کے اور حقوق آپ پر ہیں ویسے یہ بھی حق ہے اگر آپ نے یہ حق ادا نہ کیا اور وہ تمام عمر قرآن شریف غلط پڑھتے رہے تو اس کی عذاب وہی آپ کے ذمہ ہوگی۔ (وعظ حقوق القرآن، جلد 4، ص: 24)

ترجمہ کیلئے علوم کی ضرورت

قرآن مجید کے ترجمے کے لئے مختلف علوم کی ضرورت ہے اور لوگ صرف نیا رنگ دیکھ کر ڈھلتے ہیں اتنا مادہ نہیں کہ بھلے برے کو پہچانیں۔ پس خود گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو گمراہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو قرآن شریف پڑھایا بھی تو اکثر تو یہ ہے کہ بس صرف الفاظ پڑھا دیئے اور اس کے لہجے اور آواز کو سن کر خوش ہوتے ہیں کہ بچہ طوطے کی طرح پڑھتا ہے، سو اطمینان رکھئے طوطا ہی رہے گا، ان شاء اللہ آدمی نہیں ہوگا، آدمی ہوتا ہے علم سے، اور علم صرف الفاظ ہی کا نام نہیں ہے۔

صاحبو! اس کو آدمی بنایئے، وہ علوم پڑھایئے کہ الفاظ کے مفہوم کو سمجھے اور صحیح اور غلط ترجمہ میں تمیز کر سکے تا کہ گمراہی سے خود بھی بچے اور اوروں کو بھی بچائے مگر اس کی تو ضرورت ہی ذہنوں سے نکل گئی اور عام لوگوں کو اعتراض ہے کہ اگر تمام عمر ان علوم میں صرف کی جائے، تو نہ بڑھئی، بڑھئی رہے گا اور نہ لوہار لوہار۔ پھر دنیا کا کام کیسے ہو۔ معاش کی کیا تدبیر ہے، جواب یہ ہے کہ یہ تو نہیں کہا جاتا کہ سب کے سب متبحر عالم ہی بن جاؤ، عربی ہی میں تکمیل کرو، بلکہ ضرورت کے موافق احکام الٰہی سیکھ لو اور اس سیکھنے کی صورتیں مختلف ہیں۔ جس کو جس طرح آسان ہو، عربی میں ممکن ہو عربی ورنہ چھوٹے چھوٹے اردو کے رسالے پڑھ لو۔ (وعظ حقوق القرآن، جلد 4، ص: 41)

مشائخ کی شفقت

صاحبو! اگر آپ کسی حاکم کے پاس جائیں اور وہ بات چیت میں سختی کرے مگر فیصلہ آپ کے موافق کر دے تو تم اس کی تعریف کرو گے یا شکایت مشاہدہ ہے کہ اس صورت میں حاکم کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور اس کی سختی میں حکمتیں بیان کی جاتی ہیں حاکم نے ہمارے ساتھ ابتداء میں سختی کا برتاؤ اس لئے کیا تا کہ کسی کو رعایت طرفداری کا وہم نہ ہوا۔ اللہ! ایک دنیادار حاکم کے افعال میں تو حکمت ہو اور خادمان دین کے افعال

میں حکمت نہ ہو یہ کیسی بے انصافی ہے پس اگر کوئی پیر تمہارے ساتھ سختی کرے مگر اس کے ہاتھ سے تمہارا کام بن جاوے تو ہزار بار مبارک اس کی ایسی مثال ہے جیسے باپ اپنے بچہ پر سختی کرتا ہے کہ یہاں نہ بیٹھو فلاں فلاں آدمیوں سے نہ ملو اور یہ چیز نہ کھاؤ وقت پر پڑھنے جاؤ اور اگر وہ کبھی اسکے خلاف کرتا تو بیٹے کو سزا دیتا ہے مگر اس میں کوئی باپ کو ظالم نہیں کہتا بلکہ اس سختی کو بیٹے کے حق میں شفقت و رحمت سمجھتے ہیں پھر مشائخ کی سختی کو بھی شفقت پر کیوں نہیں محمول کیا جاتا۔ (وعظ العبد الربانی، جلد 4، ص: 77)

حق تعالیٰ کی عظمت

صاحبو! میں بقسم کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی عظمت دل میں آ جائے تو کسی زبان سے اپنی نسبت مولانا صاحب وغیرہ تعظیمی الفاظ سننے سے شرم آنے لگے۔ جیسا کہ سررشتہ دار کو کلکٹر کے سامنے اپنی تعظیم ہونے سے شرم آتی ہے۔ ایک بزرگ "صاحب حال" کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان کو پنکھا جھلنا چاہا تو نہایت سختی سے منع فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اجازت دیدی بعض لوگ تو اس کو جنون سمجھیں گے مگر واللہ! یہ جنون نہیں، اور اگر کوئی ان کو مجنوں ہی کہے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

اور جس کو یہ جنون نہ ہو وہ خود دیوانہ ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　مرعسس را دید درخانہ نشد

(ترجمہ:۔ وہ دیوانہ، دیوانہ نہیں ہے جو کوتوال کو دیکھ کر گھر چلا جائے۔)

کسی نے ان بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ تھی کہ آپ نے اول تو پنکھا جھلنے سے منع فرمایا اور بعد میں اجازت دے دی فرمایا اس وقت مجھ سے عظمت حق کا غلبہ ہو رہا تھا، اس وقت مجھے کسی کا پنکھا جھلنا سخت ناگوار ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے، جب وہ غلبہ کم ہو گیا تو میں نے اجازت دے دی۔

صاحبو! اس کا انکار نہ کرو، یہ سب باتیں پیش آتی ہیں۔

غرض ہمارے اندر تکبر اسی وقت تک ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں نہیں آئی۔ اور اگر عظمت حق دل میں آجائے تو پھر یہ حال ہوگا۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

(ترجمہ: جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں۔)

پھر یہ سارے دعوے نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے مراتب و مناقب بیان فرمائے وہ محض حق تعالیٰ کے حکم سے بیان فرمائے۔ (وعظ العبد الربانی، جلد 4، ص: 83)

حقوق الخلق

صاحبو! اس وقت کیا ہوگا جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ بہائم کے بھی حقوق ہیں۔ میرا ارادہ ہوا تھا کہ اس وقت حقوق العباد کی بجائے حقوق الخلق بیان کروں جس میں تمام مخلوق کے حقوق کا بیان ہو جائے، کافروں کے بھی اور جانوروں کے بھی، مگر سارا قاعدہ بغدادی آج ہی کیونکر ختم کرادوں! اس لئے میں حقوق بہائم کی تفصیل کرنا نہیں چاہتا مگر اجمالاً کہے دیتا ہوں کہ شریعت میں جانوروں کے بھی حقوق ہیں تو انسانوں کے حقوق کیوں نہ ہوں گے جن کو آپ جانور سمجھتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ غریب اگر کافر بھی ہو اس کے بھی حقوق ہیں کچھ ایسے ہی کوئی مسلمان فاسق و فاجر ہو تو اس کے بھی حقوق ہیں، گناہ کرنے سے یا کفر کرنے سے وہ وقف نہیں ہو گیا کہ آپ جو چاہیں اس کے ساتھ معاملہ کریں۔ ایک بزرگ نے کسی شخص کو حجاج بن یوسف کی غیبت کرتے ہوئے دیکھا تھا تو فرمایا کہ جس طرح حق تعالیٰ حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لے گا جن پر اس نے ظلم کیا تھا، ایسے ہی حجاج کا بدلہ ان لوگوں سے لے گا جنہوں نے اس کی غیبت وغیرہ کی ہوگی۔ حجاج خدا کی نافرمانی کر کے سب کے لئے وقف نہیں ہو گیا کہ جو بھی چاہے اس کو برا بھلا کہے۔ سبحان اللہ! ایسا کون سا قانون ہے جس میں باغیوں کے بھی

حقوق ہیں، یہ خدا ہی کا قانون ہے، اس میں باغیوں تک کے حقوق ہیں۔ چنانچہ بیٹے کو جائز نہیں کہ وہ جہاد میں اپنے کافر باپ کو قتل کرے، گو وہ خدا کا باغی ہے مگر خدا تعالیٰ نے بیٹے پر اس کا یہ حق رکھا، غرض ہم لوگوں نے تاکدِ حق کا سبب محض عظمت کو سمجھ لیا ہے اور یہ مرض دینداروں میں بھی ہے کہ وہ بھی اہل عظمت ہی کے حقوق کو زیادہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ دیوبند کے مدرسے میں طلبہ سے کہا تھا کہ تم لوگ اساتذہ کی عظمت نہیں کرتے نہ ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہو۔ پھر میں نے کہا شاید آپ اپنے دل میں کہتے ہوں کہ ہم تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی بہت عظمت کرتے ہیں اور ان کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ دل میں خیال کرلو کہ مولانا کی یہ عظمت و خدمت محض استاد ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کی شہرت و عظمت کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ محض حق استادی کی وجہ سے تم مولانا کی عظمت نہیں کرتے ورنہ اس کی کیا وجہ کہ اور استادوں کی عظمت و وقعت نہیں کی جاتی، آخر وہ بھی تو استاد ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا کی عظمت بوجہ شہرت کے کرتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ بزرگی وغیرہ میں مشہور ہیں تو جب اہل علم میں بھی یہ مرض ہے کہ وہ مشاہیر اہل عظمت ہی کے حقوق ادا کرتے ہیں پھر دوسروں کا تو کیا کہنا۔ (وعظ خیر الارشاد، جلد 4، ص: 215)

بیوی کی اہمیت

صَاحِبُو! یہ راز ہے اہل اللہ کی دل جوئی میں وہ اس لئے اپنے گھر والوں کو راحت پہنچاتے ہیں تاکہ زندگی لطف کے ساتھ گزرے اور واقعی خدا تعالیٰ نے یہ تعلق ہی ایسا بنایا ہے کہ بیوی سے زیادہ کوئی بھی انسان کو راحت نہیں دے سکتا، بیماری میں بعض دفعہ سارے عزیز الگ ہو کر ناک منہ چڑھانے لگتے ہیں خصوصاً اگر کسی کو دستوں کی بیماری ہو جائے مگر بیوی سے یہ کہیں نہیں ہو سکتا کہ وہ شوہر کو اس حال میں بھی چھوڑ دے وہ بیماری میں سب سے زیادہ راحت پہنچاتی ہے۔

(وعظ خیر الارشاد، جلد 4، ص: 273)

اشاعت اسلام

افسوس! مسلمانوں کوتو ان سے ملتے ہوئے اس کا خطرہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کو مسلمان بنادیں اور وہ ہر وقت دل میں یہی خیال رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنادیں۔

صَاحِبُو! برائے خدا تم ان سے دوستی اور اتحاد مت کرو۔ ہاں تھوڑی سی اتنی رعایت کر دیا کرو کہ وہ تمہارے اخلاق کے گرویدہ ہو کر اسلام کا اثر قبول کریں مگر افسوس وہ تو رات دن اس کوشش میں منہمک ہیں کہ پرانے مسلمانوں کو بھی کافر بنا دیں اور ہمیں اس کی بھی پروانہیں کہ ہمارے جو بھائی پہلے سے مسلمان ہیں ان کو ہی اسلام کے اندر رکھنے کی کوشش کریں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو کس جانفشانی سے اسلام پھیلایا تھا آج ہم اپنی غفلت سے اسے مٹا رہے ہیں۔

بعض اہل کفر کا مسلمانوں پر یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اب ہمارا زور ہے ہم اس زور سے کام لے رہے ہیں مگر یہ بالکل ہی غلط ہے دراصل شمشیر کا استعمال مزاحمت کے روکنے اور مدافعت کے واسطے تھا یعنی حفاظت اسلام کے لیے تھا نہ کہ اشاعت اسلام کے لیے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کا خوب ہی جواب دیا ہے کہ بزور شمشیر اسلام پھیلانے کے لئے شمشیر زنوں کی بھی تو ضرورت ہے تو وہ شمشیر زن کس شمشیر کے زور سے جمع ہوئے جنہوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلایا۔ دراصل اسلام پھیلا ہے اخلاق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اخلاق سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے۔ چنانچہ سیر وتواریخ اس پر شاہد ہیں۔ اگر ہم بھی ویسے ہی پکے مسلمان ہو جائیں تو سچ جانئے کہ کفار ہمیں بھی دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگیں۔ (وعظ الصلاح والاصلاح، جلد 4، ص:495)

صدقہ وخیرات

صَاحِبُو! صدقہ خیرات سے مال کم نہیں ہوتا، اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے

کنواں کہ اگر اس میں سے پانی نکلتا رہے، بھرائی ہوتی رہے تو پانی کی آمد ہوتی رہتی ہے اور اگر بھرائی نہ ہو تو کچھ دنوں کے بعد سوت بند ہو جاتا ہے اور کنواں سوکھ جاتا ہے۔

حدیث میں ہے: "مانقص المال من صدقة قط او كما قال"۔

(صدقہ سے مال کبھی کم نہیں ہوتا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ دس روپے میں سے اگر دو روپے دے دو تو وہ آٹھ نہ رہیں گے دس ہی رہیں گے یا اسی وقت بیس ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مال میں برکت ہوگی اور کچھ دنوں کے بعد مال بڑھ جائے گا۔ ایک طریقہ برکت کا یہ بھی ہے کہ مال چوری سے اور دوسری آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ کیا تھوڑی بات ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو مسلمان کے لیے یہ کیا کم ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان کی شان سے نفع دنیا کی طلب بعید ہے۔ اس کو صدقہ خیرات سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرنا چاہیے۔ (وعظ الحشر، جلد 4، ص:528)

جلد 5...اہمیت ذکر رسول

صاحبو! حضور کا ذکر مبارک تو وہ شے ہے کہ اگر اس پر اجر کا بھی وعدہ نہ ہوتا تو حضور کی محبت بمقتضائے من احب شيئا اكثر ذكره اس کو مقتضی ہے کہ آپ کا ہر وقت ذکر کیا کرتے اور چونکہ حضور کا ذکر عین عبادت ہے اسی واسطے حق تعالیٰ نے خود اس قدر مواقع آپ کے ذکر کے مقرر فرمائے ہیں کہ مسلمان سے لامحالہ ذکر ہو ہی جاتا ہے دیکھئے نماز کے اندر ہر قعدہ میں السلام عليك ايها النبي موجود ہے اور قعدہ ظہر میں اور عصر اور مغرب اور عشا میں دو دو ہیں اور فجر میں ایک تو کل نو قعدے ہوئے۔ اور سنن موکدہ اور وتر میں لیجئے ظہر میں تین مغرب میں ایک عشاء میں تین اور صبح میں ایک تو کل ۱۷ قعدے ہوئے۔ پس یہ سترہ مرتبہ حضور کا ذکر ہوا۔ پھر پانچوں وقت فرائض اور سنن و وتر کے قعدے اخیرہ میں کل گیارہ مرتبہ درود شریف

بھی پڑھا جاتا ہے پس سترہ اور گیارہ کل اٹھائیس بار تو لامحالہ ہر مسلمان کو آپ کا ذکر کرنا روزانہ ایسا ضروری ہے کہ اس سے کسی طرح مفر ہی نہیں۔

پھر پانچوں وقت اذان اور تکبیر ہوتی ہے۔ اس میں اشھد ان محمدا رسول اللہ موجود ہے جس کو مؤذن اور سننے والا دونوں کہتے ہیں۔ پھر ہر نماز کے بعد دعا بھی سبھی مانگتے ہیں اور دعا کے آداب میں سے کر دیا گیا ہے کہ اس کے اول و آخر درود شریف ہو۔ غرض اس حساب سے اٹھائیس سے بھی زیادہ تعداد حضور کے ذکر شریف کی ہوگی اور یہ تو وہ مواقع ہیں کہ ان میں پڑھے بے پڑھے سب شامل ہیں۔

اور جو طالب علم حدیث شریف پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت حضور کے ذکر میں رہتے ہیں اس لئے کہ ہر حدیث کے شروع میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف موجود ہے چنانچہ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے اور ان میں جا بجا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واقع ہے اور درمیان میں بھی جہاں کہیں حضور کا اسم مبارک آیا ہے وہاں بھی درود شریف موجود ہے۔ گویا حضور کے ذکر کو ایسا گوندھ دیا ہے کہ بغیر ذکر کے مسلمانوں کو چارہ نہیں۔

مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ذکر ولادت آپ کے نزدیک جائز یا ناجائز؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم تو ہر وقت ذکر ولادت کرتے ہیں اس لئے کہ ہر وقت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے۔ (وعظ السرور، جلد 5، ص: 57)

غلبہ بے حسی

مجھ سے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تعزیوں کو منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کرتب دکھانے سے مشق ہو جاتی ہے اور شجاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک

جنٹلمین صاحب نے فرمایا کہ شب براءت میں آتش بازی وغیرہ سے منع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے بہادری کی اسپرٹ محفوظ رہتی ہے۔ اللہ اکبر! کس قدر بے حسی غالب ہو گئی ہے اور لوگوں کی عقول کیسی ماؤف ہو گئی ہیں۔ اگر ان کے قبضہ میں دین ہوتا تو یہ حضرات خدا جانے اس میں کیا کچھ کتر بیونت کرتے۔

بدعت کی حقیقت

صَاحِبُو! تمہارے اوپر ایک شرعی قانون حاکم ہے۔ تم کو اس کا اختیار ہرگز نہیں ہے کہ تم خود کوئی قانون بنالو۔ مگر جو قانون تمہارے پاس ہے اس پر عمل کرنے کا حکم تم کو ہے۔ دیکھو! بہت سے قانون ایسے ہیں کہ وہ حکام کو مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص تعزیرات ہند چھپنے کے وقت اخیر میں مثلاً یہی ایک دفعہ بڑھا دے کہ جو شخص حکام کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ نہ کہے گا اس پر پچاس روپیہ جرمانہ ہوگا تو تصحیح قانون کے وقت جب اس زیادتی کی اطلاع ہوگی۔ فوراً اس شخص کے نام وارنٹ جاری ہو جاوے گا اور اسی مثال سے بدعت کے معنی بھی ان شاء اللہ آپ کی سمجھ میں آجاویں گے۔ صاحب وجہ اس کے جرم ہونے کی یہ ہے کہ قانون کا بنانا سلطنت کا کام ہے' تو جب کسی شخص نے کوئی قانون بنایا تو اگرچہ وہ قانون سراسر مفید حکام ہی کیوں نہ ہو لیکن در پردہ اس مقنن نے اپنے صاحب سلطنت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدعت سراسر مسلمانوں کے لئے بزعم موجد نافع ہے لیکن دین سے زائد ہو تو وہ ایسی ہے جیسے کہ یہ قانون بڑھانا تو اس کی وہی سزا ہو گی...... یہ جواب ہے ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بدعت میں یہ مصلحت ہے۔

صَاحِبُو! اس میں تو خدا اور رسول پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو دین میں نہیں رکھا (نعوذ باللہ منہ) غرض عید میلاد النبی پر آج کل یہ رنگ چڑھایا گیا ہے اور مقصود اس سے وہی اظہار شوکت قومی ہے۔ لیکن ہمارا مذہب تو تفویض الی الشرع ہے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطاست وگر خوں بفتوی بریزی رواست

بلاشرعی حکم کے پانی پینا بھی گناہ ہے اور شرعی فتویٰ کی رو سے قتل کرنا بھی جائز ہے۔

رہی دعا تو وہ نمازوں کے بعد بھی ہوسکتی ہے اور دعا کے لئے جو جلسے کئے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ بس اس واسطے کہ اپنا نام ہو اور بعض محض اقتضاء طبیعت کی وجہ سے ان کی طبیعت میں اس قسم کے کاموں کا جوش پیدا ہوتا ہے لیکن شریعت مطہرہ نے ہم کو نرا جوش نہیں سکھلایا۔ اس جوش کی کیا انتہا ہے کہ بعض نے قربانی ہی کو حذف کر دیا۔ صاحبو! ہم کو شریعت نے جوش سے زیادہ ہوش کا حکم دیا ہے۔ (وعظ النور، جلد 5، ص:135)

شوکت اسلام

اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے نیا لباس بدلنے کیلئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ۔

نحن قوم اعزنا الله بالاسلام

صاحبو! اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب معمولی وضع میں رہتے تھے۔ مگر لیفٹیننٹ گورنر ان کے سلام کو آئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ماہان ارمنی کی مجلس میں تشریف لے گئے وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو ہٹا دیا۔ ماہان نے کہا اے خالد! میں نے تمہاری عزت کی تھی لیکن تم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ماہان! تیرے فرش سے خدا کا فرش اچھا ہے۔ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر کے استعمال سے منع فرما دیا ہے۔

تو کیا اس حریر کے ہٹا دینے سے ان کی شوکت کم ہوئی یا اور بڑھ گئی۔ مسلمانوں کی عزت یہی ہے کہ ہر موقع پر کہہ دیں کہ ہم کو فلاں کام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع

فرمادیا ہے۔ مگر آج لوگ اسلام کے احکام ظاہر کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے ریل میں نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ وہاں سب ہندو ہی تھے۔ دیکھ کر اسلام پر ہنستے انا للہ۔ ایک وہ وقت تھا کہ ہر بات میں قرآن وحدیث زبان پر آتا تھا حتیٰ کہ جب صحابہ کرامؓ نے روم پر حملہ کیا ہے تو وہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور ہم بھی اہل کتاب ہیں۔ تو ہم میں تم میں ایسا زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم اول مجوس فارس سے لڑو کہ وہ مشرک ہیں۔ واقعی ہم تو شاید اس سوال کا جواب نہ دے سکتے لیکن صحابہ کرام نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ہم کو حکم ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ

(ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں۔)

اور تم ان کی نسبت نزدیک ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے قلب میں قرآن بسا ہوا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا ماہان ارمنی سے کہ تیرے فرش سے خدا کا عرش افضل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کا ہے اور آج تک چلا آتا ہے۔ نہ دھونا پڑتا ہے نہ کچھ بلکہ اورناپاکی کو بھی پاک کردیتا ہے۔ (وعظ النور، جلد 5، ص: 137)

حقیقت مجاہدہ

صَاحِبُو! مجاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی کو مطلقاً ترک کرے اور یہ نفس کی مخالفت واجب ہے اور مباحات میں تقلیلاً مخالفت کرے اور یہ مخالفت مستحب ہے مگر ایسا مستحب ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اس مخالفت مستحبہ پر موقوف ہے جیسے بہت سونا' بہت کھانا' بہت عمدہ کپڑے پہننا' بہت باتیں کرنا' لوگوں سے زیادہ ملنا ملانا' سوان سے تقلیل کرے مگر تقلیل ہر اک کی اس کی حالت کے موافق ہے یہ نہیں کہ تم چھ گھنٹے سوتے ہو اور دوسرا سات گھنٹے سوتا ہے تو تم یہ کہنے لگو کہ ہم مجاہد ہیں اور وہ نہیں ممکن ہے کہ اس کی نیند دس گھنٹے روزانہ کی ہو اور تمہاری آٹھ کی تھی تم نے آٹھ گھنٹہ میں سے دو گھنٹہ کم کئے اور اس نے دس میں سے تین گھنٹے کم کئے تو اب بتلاؤ زیادہ مجاہد کون ہوا؟ (وعظ نور النور، جلد 5، ص: 152)

مہذب کلام

قرآن مجید نہایت مہذب کلام ہے اس میں الفاظ کی تہذیب بھی ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کسی بلیغ کا کلام اس کے برابر مہذب نہیں ہو سکتا۔

مگر اللہ بچائے جہل سے آج کل جہلا کی ایک جماعت ایسی نکلی ہے جو علم کی حقیقت محض ترجمہ قرآن پڑھ لینے اور دیکھنے کو سمجھتے ہیں ایسے ہی جہلا کا قرآن پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں تہذیب کی رعایت نہیں۔

سبحان اللہ! اگر قرآن میں ایک لفظ بھی خلاف تہذیب ہوتا تو کیا بلغاء عرب مسلمانوں کو چین بھی لینے دیتے وہ تو آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ قرآن میں جس کے اعجاز کا دعویٰ کیا جاتا ہے فلاں لفظ خلاف تہذیب ہے مگر تاریخ شاہد ہے کہ بلغاء عرب میں سے کسی نے بھی قرآن پر حرف گیری نہیں کی بلکہ اس کی بلاغت کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں اور کسی نے قرآن پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ اس میں ایک لفظ بھی تہذیب کے خلاف ہے مگر اب اس چودھویں صدی میں ایسے ایسے بلغاء نکلے ہیں جن کو عربیت سے تو خاک بھی مس نہیں اور قرآن پر اعتراض کرنے کی جرات ہے۔

صاحبو! یہ ظاہر ہے کہ قرآن عربی کلام ہے تو اس کی بلاغت اور فصاحت اور اس کے معانی و مطلب کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربیت کا پورا ماہر ہو اور عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو جس کی فصاحت و بلاغت کو اہل زبان نے تسلیم کر لیا ہو۔

پھر جن لوگوں کی مادری زبان اردو یا ہندی یا انگریزی ہو اور عربیت سے خاک بھی مس نہ ہو ان کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے یا اپنی طرف سے اس کی کسی آیت کا مطلب بیان کر کے اسے خلاف تہذیب کہنے کا کیا حق ہے مگر آج کل حیرت ہے کہ ایسے ہی جاہل قرآن پر لب کشائی کرتے ہیں اور وہ محض ترجمہ پڑھ کر عالم ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ (وعظ المورد الفرخی، جلد 5، ص:216)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر

مسلم میں ہے ایک بار حضرات شیخین حضور کے وصال کے قریب ہی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کو گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلانے پلانے والی تھیں۔ حضور اکرم بھی ان کے ملنے کو گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی سنت کے مطابق حضرات شیخین بھی تشریف لے گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے رونے لگیں۔ حضرات شیخین نے فرمایا' اے ام ایمن! کیوں روتی ہو! کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس کی نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (دنیا سے) بہتر ہیں (یہ فرمانا کیا تم کو معلوم نہیں اپنے فرمان سے بتلا رہا ہے کہ یہ صحابہ کے نزدیک اولیت و مسلمات میں سے تھا) اس پر انہوں نے فرمایا' یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔

ولکن الوحی انقطع عنا۔ لیکن حضور کے تشریف لے جانے سے نزول وحی منقطع ہو گیا اس لئے روتی ہوں۔ یہ وہی بات تھی کہ رنج اس کا ہے کہ ہم حضور سے جدا ہو گئے اور حضور ہم سے جدا ہو گئے اور وہ برکات نبوت منقطع ہو گئیں۔ فبکی لذالك الشیخان۔ یہ سن کر حضرات شیخین بھی رونے لگے۔ یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہو گا کہ یہ حضرات کیوں رونے لگے۔ یا تو ان کو بھی رونے سے منع کرتے تھے یا خود بھی رونے لگے۔

صاحبو! یہ رونا بھی ان کے محقق ہونے کی دلیل ہے۔

حضرات صحابہ عارف تھے اور عارف بھی کامل۔ اور عارف کامل کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر چیز کا حق ادا کرتا ہے عقل کا بھی طبع کا بھی۔ تو حضرات شیخین نے اول تو عقل کا حق ادا کیا کہ عقلاً عاشق کو محبوب کے لئے وہی بات پسند کرنا چاہئے جس کو محبوب خود پسند کرتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت ہی محبوب ہے چنانچہ (حدیث متفق علیہ میں ہے کہ) وصال سے پہلے ایک بار حضور نے فرمایا۔

ان اللہ خیر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ فاختار ما عنداللہ فبکی

ابو بکر و قال نفدیك باٰبائنا و امهاتنا یارسول اللہ۔

یعنی حق تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہیں یا خدا تعالیٰ کے پاس جائیں تو اس بندہ نے خدا تعالیٰ کے پاس جانا پسند کیا۔ حضرات صحابہ اس کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ خیال کیا کہ حضور کسی اور شخص کا قصہ بیان فرمارہے ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق سمجھ گئے کہ حضور اپنا ہی واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں صحابہ اس قصہ میں فرماتے ہیں فکان ابوبکر اعلمنا ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے کہ وہ مطلب سمجھ گئے۔

اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور کو آخرت پسند تھی۔ اس کے علاوہ وہ اور بھی احادیث ہیں جن میں یہ امر مصرح ہے۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث میں ہے جب وقت وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بدوں آپ کی اجازت کے کچھ نہ کروں۔

فنظر الی جبرئیل فقال یا محمد ان اللہ قد اشتاق
الی لقائك فقال امض ما امرت به۔

یعنی اس وقت حضور نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف نظر کی (کہ بتلاؤ میں کونسی حالت اختیار کروں) انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حق تعالیٰ آپ کے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کے معنی میں بیہقی نے کہا ہے۔

قد اراد لقائك بان یردك من دنیاك الی معادك زیادته فی قربك

تو آپ نے فرمایا: بسم اللہ! اے عزرائیل! اپنا کام شروع کرو (کہ مجھے بھی اپنے پروردگار کے لقاء کا اشتیاق ہے) نیز عین وصال کے وقت آپ یہ فرمارہے تھے۔

اللھم الرفیق الاعلیٰ. اور یہ بھی فرمارہے تھے مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین

یعنی اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو تلاش کرتا ہوں جہاں ان لوگوں کا ساتھ ہوگا۔ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر

میں نے سمجھ لیا کہ حضور کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو پسند فرمایا۔ فاذا لا یختار نا بس اب ہمارے پاس رہنا آپ کو منظور نہیں۔

(وعظ السرور والفرحی، جلد 5، ص: 263)

جلد 6... مقام علماء کرام

سرکاری آدمی جس حال میں بھی ہو اس کی توہین جرم ہے۔

حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں۔

من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب

کہ جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھے تو اس کو اعلان جنگ سناتا ہوں۔

صاحبو! اگر ایک چھوٹی سی سلطنت اعلان جنگ دے دے تو بڑی بڑی سلطنتوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور اولیاء اللہ کی عداوت پر احکم الحاکمین اعلان جنگ سناتے ہیں۔ مگر اللہ رے غفلت کہ پھر بھی غافل ہیں کہ اس کے منتظر ہیں کہ توپ خانہ لگا دیا جائے۔

صاحبو! حکام دنیا کے ادنیٰ ملازموں کی توہین تو جرم ہو اور احکم الحاکمین کے ملازموں کی توہین جرم نہ ہو۔ علماء سرکاری آدمی ہیں ان کیلئے کسب کرنا ایک درجہ میں ناپسند ہے اور عوام کیلئے یہ حکم ہے کہ کسب الحلال فریضة بعد الفریضة یعنی جیسے نماز روزہ فرض ہے ایسے ہی حلال رزق حاصل کرنا بھی فرض ہے ان کو ترک اسباب میں بزرگوں کی نقل مناسب نہیں۔ ایک بزرگ ایک مقام پر تھے۔ ایک شخص اپنی اولاد کو نصیحت کرنے لگے کہ بھائی کچھ کھانے کمانے کی لیاقت حاصل کر لو۔ انہوں نے کہا کیا ضرور دیکھئے حضرت مولانا گنگوہیؒ کچھ نہیں کماتے پھر کیسے آرام میں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ افسوس کہ مولانا کی اس بات کو دیکھا مگر ان کے کمالات کو نہ دیکھا۔ یہ ہمت نہ ہوئی کہ ہم بھی دین کی خدمت کریں۔ توکل سہل معلوم ہوا کیونکہ اس میں کچھ کرنا تو پڑتا ہی نہیں مگر خبر بھی ہے توکل ہر ایک کا کام نہیں۔ (وعظ حق الاطاعت، جلد 6، ص: 107)

طریق تعلیم

ایک صاحب کو میں نے دیکھا ہے کہ انگریزی پڑھ کر واپس آیا نماز میں شریک ہوئے اور دو رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیر دیا کچھ خبر نہیں کہ نماز ہوئی یا نہیں اور خبر کیسے ہو جو فکر ہی نہیں۔

اس سے بڑھ کر میں ایک اور بات کہتا ہوں کہ صرف انگریزی پڑھا ہوا بعض دفعہ کفر کی باتیں زبان سے کہہ جاتا ہے اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی اس کے تحت میں مسلمان بی بی ہوتی ہے اور حرام کے بچے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کلمہ کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ جب نکاح نہ رہا تو اولاد سب حرامی ہوئی مگر اس شخص کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی افسوس ہے کہ مسلمانوں کو اس پر ذرا توجہ نہیں گو یہ کہنے کی بات نہیں مگر بغیر کہے رہا بھی نہیں جاتا۔ ایک شخص نے علی الاعلان یہ کہا کہ یہ مذہبی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے۔ ہاں آپ بہت بڑے فلاسفر تھے اس لئے میں آپ کی عظمت کرتا ہوں۔ اب بتلاؤ ایمان گیا یا رہا۔ اس کا تو ایمان گیا ہی مگر اس کے نکاح میں ایک عفیفہ (پاک دامن عورت) ہے اس بے چاری کا کیا حشر ہوگا۔ تو اس کا انسداد بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس انگریزی کے ساتھ کچھ دین کا بھی حصہ ہو۔

صاحبو! رؤسا جو انگریزی پڑھتے ہیں ان کو اس سے روپیہ کمانے کی ضرورت نہیں بلکہ بوجہ ضرورت زمانہ پڑھتے ہیں اس کے لئے نہ ڈگری کی ضرورت نہ پاس کی ضرورت ان لوگوں کو اول علم دین پڑھانا چاہئے اس کے بعد یہ ضروریات پوری ہوتی رہیں گی۔ غرض میں انگریزی پڑھنے سے منع نہیں کرتا اتنا ضرور کہتا ہوں کہ پہلے علم دین پڑھاویں کیونکہ پہلا نقش زیادہ گہرا ہوتا ہے۔

ما الحب الا للحبیب الاول

(یعنی محبوب اوّل ہی کیلئے محبت گہرا اثر رکھتی ہے) یہ میرا خیال ہے جو میں نے عرض کر دیا

گر نیاید بگوش رغبت کس بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(اگر کسی کو یہ بات مرغوب نہ ہو تو وہ جانیں۔ ہم پر پہنچانا تھا پہنچا دیا۔ منوانا ہمارا کام نہیں)....(وعظ حق الاطاعت، جلد 6،ص:129)

شرائط مغفرت

صَاحِبُو! بتایئے کہ اگر کوئی باغی کسی شریف وفادار سلطنت کے گھر میں پیدا ہوا ہو تو یہ اس کو کچھ نفع بخش ہوسکتا ہے ہرگز نہیں! اس سے کچھ نہیں ہوسکتا بلکہ زیادہ موجب عتاب ہوگا کیونکہ یہ شخص یہ عذر پیش نہیں کرسکتا کہ مجھ کو حقوق سلطنت کا پورا علم نہیں تھا۔ ایک باغی کا لڑکا تو تھوڑی دیر کے لئے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں بغاوت میں معذور تھا کیونکہ میرا سارا خاندان باغی ہے مجھے حقوق سلطنت کا علم کافی طور پر حاصل نہیں ہوسکا۔ پس معلوم ہوا کہ مسلمان کے گھر پیدا ہونا اس وقت تک کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا جب تک کہ اپنے اندر اطاعت کا مادہ نہ ہو۔ البتہ اگر مسلمان کے گھر پیدا ہو کر ہم بھی اطاعت کریں اور احکام کے پابند ہوں تو اس وقت ہم کو اس سے کچھ نفع ہوسکتا ہے کہ ہم مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے تھے جیسا کہ گورنمنٹ کے نزدیک اس شخص کی قدر دوسروں سے زیادہ ہوگی جو خود بھی خیرخواہ سرکاری ہو اور اس کی کئی پشتیں بھی سلطنت کی خیرخواہ رہ چکی ہوں۔

اور بعض دفعہ اس شخص کی بھی زیادہ وقعت ہوتی ہے جس کے اسلاف باغی ہوں اور وہ اپنی ذات سے مطیع ہو۔ جب بادشاہ کو خبر ہوگی کہ باغی کا لڑکا مطیع ہو کر آیا ہے اس کے دل میں ضرور اس کی عزت وقدر ہوگی مگر شریف کا بیٹا ہو کر باغی ہو جائے تو تمام دنیا کے عقلاء و جہلا اس لڑکے کو بے قدری کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس وقت شرافت واطاعت اسلاف اس کے کچھ کام نہ آئے گی غرض بزرگوں کا مطیع وتابعدار ہونا خوردوں کے چھوٹ جانے کے لئے کافی نہیں ہوسکتا تو یہ جو لوگ آج کل فخریہ کہتے ہیں کہ ہم تیرہ سو برس سے مسلمان ہیں بدوں اپنی کوشش کے کچھ مفید نہیں ہوسکتا۔ (وعظ شعب الایمان، جلد 6،ص:223)

اشاعت اسلام کا سبب

دین کے بہت سے اجزاء ہیں لوگوں نے جو اس کا اختصار کر لیا ہے یہ ان کی غلطی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان زیادہ بدنام ہیں کیونکہ ناواقف غیر مذہب والا یہ سمجھتا ہے کہ جیسے ان کے اعمال ہیں شاید یہی مذہب اسلام کی تعلیم بھی ہے ہماری وہ حالت ہے کہ اس کو دیکھ کر غیر مذہب والے اسلام سے نفرت کرنے لگے۔ کیونکہ ہر مذہب کے لوگ اس مذہب کے معبر ہیں۔ دیکھنے والا آدمیوں کے افعال سے مذہب کی عمدگی یا خرابی پر استدلال کیا کرتا ہے۔

چنانچہ اہل یورپ نے بہت سے دھبے اسلام پر لگائے ہیں جس کا سبب یا عناد ہے یا ناواقفی ہے کہ انہوں نے ظالم سلاطین کے طرز عمل کو یا ہمارے افعال و اخلاص کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے۔

صاحبو! کوئی ہمارے خلفائے راشدین کو دیکھے اور آج کسی جگہ ہمیں ان کی نظیر دکھا دے۔ اخلاق میں سیاست میں عدل و انصاف میں ان شاء اللہ تعالیٰ مخالف اگر انصاف سے بتلائے تو ہرگز ان کی نظیر نہیں دکھا سکتا اور ہماری صفات کا جیسے یہ اثر ہے کہ اسلام پر الزام لگتا ہے ان حضرات کی صفات کا یہ اثر تھا کہ اسلام محبوب ہو کر پھیلتا جاتا تھا۔ اور یہی اصل سبب ہے اشاعت اسلام کا۔

اہل یورپ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کے زور سے کام لیا گیا ہے اور اس کے لئے دلیل میں واقعات جنگ وہ پیش کرتے ہیں کہ سلاطین اسلام نے کس قدر خونریزیاں کی ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ جنگ مطلقاً تمدن کے خلاف ہے آج متمدن قومیں بھی ضرورت کے وقت جنگ کرتی ہیں معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت لڑائی کرنا تہذیب و تمدن کے اعتبار سے جائز ہے پس اب میں ظالم سلاطین کی طرف داری تو نہیں کرتا البتہ خلفائے راشدین کی

بابت دعویٰ سے کہتا ہوں کہ انہوں نے بناء ضعیف پر کبھی جنگ نہیں کی کسی قوی سبب کی بناء پر وہ لڑائی کرتے تھے اور لڑائی کے متعلق اسلامی قانون اگر مخالفین کی نظر سے گزرا ہوتا تو کبھی یہ لفظ زبان سے نہ نکالتے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔

(وعظ شعب الایمان، جلد 6، ص: 229)

اِصلاحِ عوام

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کی ضرورت اب نہیں رہی۔ یہ عرب کے واسطے مقرر ہوئی تھی کہ وہ نامہذب تھے اب ہم متمدن ہیں ہم میں کوئی توحش کی شان باقی نہیں رہی۔ لہٰذا (نعوذ باللہ) اس کو اسلام سے حذف کر دیا جائے۔ انا اللہ! اس مشورے کا صحیح اور سیدھا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے افسوس ہے کہ لوگ آج کل اس جواب کی قدر نہیں کرتے اور اس کو عجز اور دفع الوقتی پر محمول کرتے ہیں۔ اور علماء سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ قطع نظر حوالہ قرآن وحدیث سے ہر قانون کی لم بیان کرو۔

صاحبو! قوانین ظاہری جن میں بہت سے خلاف عقل عوام بھی ہیں ان کی لم کیوں نہیں تلاش کی جاتی۔ صرف وجہ یہ ہے کہ اس قانون کی وقعت دلوں میں ہے اور قانون اسلام کی وقعت نہیں۔ ورنہ اگر اس کی بھی وقعت ہوتی تو ہرگز اس میں چوں وچرا نہ کی جاتی بلکہ یہ کہا جاتا ہے۔

زباں تازہ کردن باقرار تو	نینگیختن علت از کار تو

(آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپکے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے)

اور یہ شان ہوتی ہے کہ

زندہ کنی عطائے تو وربکشی فدائے تو	جاں شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

یعنی زندگی عطا فرمائیں تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر آپ قتل کریں تو آپ پر قربان ہوں۔ دل آپ پر آ گیا ہے جو کچھ تصرف کریں میں آپ پر راضی ہوں۔

دیکھئے انسان کو اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے سامنے کیسا سرافگندہ ہو جاتا ہے۔ مجنوں کی لیلیٰ کے عشق میں کیا حالت ہو گئی تھی تو۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود کوئے گشتن بہر او اولے بود

(اللہ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیا کم ہے اس کیلئے کوچہ گردی اولیٰ ہے)

کیا خدا کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہو گئی ہے۔ اور لیجئے! اگر محبوب دس روپے مانگے تو محب کبھی یہ نہیں پوچھتا کہ دس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے بلکہ غنیمت سمجھتا ہے اور مسرور ہوتا ہے افسوس کہ ایک مردار کی فرمائش پر تو مسرت ہو اور خدا تعالیٰ کے ارشاد کی لم تلاش کی جائے۔ (وعظ تکمیل الاسلام، جلد 6، ص: 391)

خواص کی کوتاہیاں

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ریل میں سوار ہوئے۔ ایک قلی کے سر پر ان کا اسباب تھا۔ اسباب کو رکھوا کر انہوں نے قلی کو ایک گھسی ہوئی دونی دی۔ اس نے کہا کہ حضور یہ تو خراب ہے کہنے لگے کہ ہم کیا کریں۔ اس نے کہا کہ بدل دیجئے۔ کہنے لگے ہم نہیں بدلتے۔ اس نے کہا کہ صاحب میں کیا کروں گا کہنے لگے کہ چلا دینا۔ اس نے کہا کہ میں کیسے چلا دوں گا۔ تو کہتے ہیں کہ جیسے ہم نے چلا دی۔

بھائی تم نے تو اس لئے چلا دی کہ تم بڑے شخص ہو۔ اگر اس قلی کو بھی کوئی ایسا ذلیل مل جائے جس کی ذلت کی نسبت اس کی عزت کے ساتھ ایسی ہو جیسے اس کی ذلت کی نسبت تمہاری عزت کے ساتھ تو وہ بھی چلا سکے گا۔ مگر ایسا شخص اس کو کہاں ملے گا۔ آخر وہ روتا ہوا واپس چلا گیا اور گاڑی چھوٹ گئی۔

ایسا افسوس ہوا کہ جب یہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر ہمدردی کے لیکچر دیتے ہیں تو اس وقت ان کی زبان کیسی چلتی ہے اور کس قدر زور ہوتا ہے جس سے معلوم ہو کہ ان کے برابر دنیا بھر میں کوئی ہمدرد نہیں اور اعمال کی یہ حالت ہے۔

اسلام اور امن

صاحبو! میں بہ قسم کہتا ہوں کہ مذہب کا پابند ہو کر تو ہمدردی کرنا ممکن ہے ورنہ ہرگز ممکن نہیں۔ نرے تمدن سے کبھی کوئی ہمدرد نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بالکل واقعات سے ظاہر ہے اس وقت لوگوں نے مذہب کو بالکل چھوڑ دیا ہے اگر مذہب کی پابندی ہو جائے تو ہرگز کبھی کسی سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے امن عام کی کتنی حفاظت کی ہے۔ میں ایک دوسری بڑی مثال تعلیم حفظ امن کی اسلام میں دکھلاتا ہوں ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔

لاتسبوا الملوك فانما قلوبهم بيدى...الحديث

یعنی اگر حکام سے تم کو تکلیف پہنچے تو ان کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ ان کے قلوب تو میرے اختیار میں ہیں۔.... بلکہ مجھ سے اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرو۔ میں ان کے قلوب کو نرم کردوں گا۔ اللہ اکبر! کس قدر امن پسندی ہے کہ حکام کو زبان سے بھی کچھ کہنے کی اجازت نہیں اگرچہ ان سے بظاہر کچھ تکلیف ہی پہنچی ہو بلکہ یہ حکم ہے کہ میری اطاعت کرو۔ غرض معاملات کے متعلق یہاں تک تعلیم ہے مگر لوگوں کی معاملات میں دیکھ لیجئے کیا حالت ہے۔ (وعظ تکمیل الاسلام، جلد 6، ص:393)

رسومات کی اِصلاح

ایک ظریف درویش نے بیان کیا کہ ایک مقام پر فاتحہ تھی ہم کو بھی بلایا گیا کھانا چنا گیا تو فاتحہ شروع ہوئی۔ فاتحہ خواں نے حضرت آدم علیہ السلام سے نام گنوانے شروع کئے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو میں نے کہا کہ صاحب ساری دنیا کے تو نام شمار کئے جاتے ہیں مگر ہمارا نام بھی تو لے لو۔ کیونکہ جب تک ہم نہ کھائیں گے ان میں سے ایک کو بھی ثواب نہ پہنچے گا۔ اس پر وہ لوگ خفا تو بہت ہوئے کہ وہابی ہیں لیکن فاتحہ کا سلسلہ جلدی ختم ہو گیا۔

غرض عام طور سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بدوں نیاز کے ثواب نہیں ہوتا نیز اس میں قوانین بھی ایجاد کئے ہیں چنانچہ مجھ سے ایک شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ گیارہویں اٹھارہ تاریخ تک جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں گویا یہ نماز کا وقت ہے کہ فلاں گھنٹے تک رہے گا اس کے بعد نہ رہے گا۔

صاحبو! یہ عقائد روکنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے تو سمجھو کہ لوگ تم کو دیکھ کر عقیدہ پیدا کرلیں گے صاحبو! عوام الناس اس قدر حد سے نکل گئے ہیں کہ شریعت سے بہت دور جا پڑے۔

غضب ہے کہ بعض مقامات میں خدائی رات منائی جاتی ہے اور صبح کو اللہ تعالیٰ کی سلامتی کے گیت گاتی ہوئی مسجد میں آتی ہیں اور آ کر جھک کر سلام کرتی ہیں۔ غرض مسجدوں کی بابت یوں سمجھتی ہیں کہ گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ (وعظ تجارت اور آخرت، جلد 6، ص: 418)

ہدیہ کے آداب

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ایک اونٹ دیا۔ آپؐ نے اس کے عوض میں کئی اونٹ اس کو دیئے مگر وہ شخص راضی نہ ہوا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا کہ فلاں فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ اس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اوّل ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اول ملاقات میں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے۔ اسی لئے میں نے اپنا یہ معمول مقرر کرلیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی

ہاتھ جائے گا تو وہاں بھی خالی ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی آئے اور خالی جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیر جی کی مٹھی گرم کردو کہ اوراس مٹھی گرم کرنے کے ایک محاورہ کی ایک اصل ہے۔ وہ یہ کہ پیرزادوں نے اپنا راز چھپانے کے لئے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔

صاحبو! اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اس میں دنیا کے انضمام کے معنی دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ اس شخص کے بعد کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کرے گا۔ تو؟ اگر کبھی دوسرے نے بھی مصافحہ کرلیا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پیر صاحب کو یہ ہدیہ دیا گیا۔ پھر اخفا کہاں رہا اور اگر دوسروں کو مصافحہ سے روکا جائے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شبہ ہوگا۔ کیونکہ بعضی احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے۔

(وعظ تجارت اور آخرت، جلد 6، ص: 427)

آسمان اور سائنس

مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کی یہ کوشش ہے کہ قرآن کی آیتوں کو جس طرح بن سکے سائنس پر منطبق کیا جائے اور ایسے لوگ علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ لکیر کے فقیر ہیں۔ صاحبو! میں دعویٰ کرتا ہوں کہ سائنس کا کوئی تحقیقی مسئلہ قرآن کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا اور تحقیقی کی قید اس لئے لگائی ہے کہ سائنس کے مسائل دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ محض تخمین سے ان میں کام لیا گیا ہے اور اکثر اسی قسم کے ہیں دوسرے وہ ہیں کہ جو تحقیق سے ثابت ہوئے ہیں تو جو مسائل تحقیقی ہوں گے وہ کبھی قرآن کے کسی دعوے کے معارض نہیں ہوں گے۔ کیونکہ قطعی عقلی قطعی نقلی کے معارض نہیں ہوسکتا۔

صاحبو! آج کل تو تحقیق کا زمانہ ہے اور مسائل میں غور وفکر سے کام لیا جاتا ہے تو ذرا اس میں بھی غور کرو کہ اہل سائنس کے جتنے دعاوی ہیں سب صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ مثلاً اہل سائنس کا دعویٰ ہے کہ آسمان کا وجود نہیں سب ستارے فضا میں گھوم

رہے ہیں۔ تو دیکھو یہ مسئلہ ظنی ہے یا یقینی تو سائنس کی رو سے آسمان کا عدم قطعی طور پر سے ثابت نہیں ہوسکتا آج تک جتنی دلیلیں نفی آسمان پر قائم کی گئیں ان سب کا خلاصہ عدم العلم ہے جو کہ عدم الوجود کو مستلزم نہیں۔

وجود آسمان دلیل قطعی سے ثابت ہے کیونکہ وجود آسمانی فی نفسہ ممکن ہے یعنی آسمان کا وجود و عدم دونوں عقلاً برابر ہیں اور یہ عقلی مقدمہ ہے کہ جس کے وجود کی خبر کوئی مخبر جو قطعاً صادق ہو دیتا ہے تو اس ممکن کا وجود ثابت قطعی ہوتا ہے اور اس کے وجود کی خبر ایک مخبر صادق یعنی قرآن شریف نے دی ہے پس ان تینوں مقدموں میں یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ آسمان موجود ہے اور آسمان کے ممکن الوجود ہونے کی بناء پر میں کہتا ہوں کہ جب یہ عقلاً ممکن ہے یعنی نہ واجب ہے اور نہ ممتنع پس نہ ضروری الوجود ہوا نہ ضروری العدم۔ تو عقل اس کے وجود یا عدم کی بابت کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتی۔ زیادہ سے زیادہ اگر کہا جاسکتا ہے تو صرف اس قدر کہ ہم کو از روئے عقل وجود کا پتہ نہیں چلتا اور معلوم ہے کہ عدم ثبوت اور ثبوت العدم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

امریکہ کا وجود جس وقت تک ہم لوگوں کو ثابت نہ تھا اس وقت تک بھی ہم یوں نہیں کہہ سکتے تھے کہ امریکہ موجود نہیں ہے البتہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہم کو وجود امریکہ کا علم نہیں ہے۔ پس اہل سائنس یہ کہتے ہیں کہ ہم کو آسمان کے وجود کا پتہ نہیں چلتا اور یہ ہم کو مضر نہیں کیونکہ ہم تقریر سابق سے ان کو وجود آسمان تسلیم کرادیں گے البتہ اس کے ضروری الوجود نہ ہونے پر شبہ ہوتا ہے کہ اہل یونان نے وجود آسمان پر عقلی دلائل قائم کئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ یونان کے دلائل قریب قریب سب مخدوش ہیں جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ واقعیت یہی ہے کہ عقل سے نہ آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ عدم۔

رہی یہ بات کہ علی العموم اس نیلگوں رنگ آسمان نہیں ہے اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اول تو جن دلائل سے یہ ثابت ہوا ہے وہ خود ابھی مخدوش ہیں اور بناء الفاسد علی الفاسد ہے دوسرے اگر ثابت ہو بھی جائے کہ یہ رنگ آسمان نہیں ہے تب بھی اس سے

عدم وجود آسمان نہیں ثابت ہوتا ممکن ہے کہ آسمان سے آگے ہو۔ پس یہ کہنا کہ آسمان کا وجود جو کہ شریعت سے ثابت ہے دلائل سائنس متصادم ہے سخت غلطی ہے کیونکہ سائنس اس میں بالکل ساکت ہے اور قرآن ناطق اور تصادم و تعارض ناطقین میں ہوتا ہے ساکت و ناطق میں نہیں ہوسکتا اور جب تعارض نہیں ہے تو سماء کی تفسیر کواکب یا مافوقنا وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ تفسیر یقیناً تحریف ہوگی اور ایسے محرفین کی بابت یہ کہنا صحیح ہے کہ انہوں نے وحی کو معیار نہیں بنایا۔ کیونکہ باوجود وحی کو ماننے کے اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی۔ جس طرح اس دیہاتی کو کہا گیا تھا کہ اس نے قانون پر عمل نہیں کیا۔ ایک صورت تو وحی کو معیار نہ بنانے کی تھی۔ (وعظ تقویم الزیغ، جلد 6، ص: 451)

ایصال ثواب کی صورت

مجھ سے ایک دیہاتی کہنے لگا کہ اگر ایصال ثواب کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو حرج ہی کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتی ہیں کبھی روپے پر یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتیں اور ایک نیت میں اصلاح کرنی ضروری ہے کیونکہ اکثر نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے۔

صاحبو! قطع نظر فساد اعتقاد کے اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیۃً مٹھائی لے جائیں اور پیش کرنے کے بعد اس شخص سے کہیں کہ آپ میرے مقدمے میں گواہی دے دیں۔ اندازہ کیجئے کہ یہ شخص کس قدر کبیدہ ہوگا اور اس سے اس کی کیسی اذیت ہوگی۔ پس جب اہل دنیا کو اذیت ہوتی ہے تو اہل اللہ کو تو اس سے زیادہ اذیت ہوگی پھر خصوصاً وفات کے بعد کیونکہ وفات کے بعد لطافت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ قفس عنصری ٹوٹ جاتا ہے اور صرف روح ہی روح رہ جاتی ہے اور اس کا ادراک کامل ہوجاتا ہے۔ پس جس وقت ان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ ہدیہ اس غرض

سے پیش کیا گیا ہے کس قدر نا گواری ہوتی ہوگی۔ اس کے ماسوا کس قدر شرم کی بات ہے کہ اہل اللہ سے دنیا کے لئے تعلق اور محبت ہو۔

صَاحِبُو! ان کے پاس دنیا کہاں ہے۔ ان سے دنیا کی امید رکھنا بالکل ایسی بات ہے جیسے کسی سنار سے کھرپا بنانے کی امید رکھنا یا کسی حکیم سے یہ فرمائش کرنا کہ تم چل کر ہمارے گھر کی گھاس کھود دو۔

صَاحِبُو! ہم کو حضرت سیدنا غوث الاعظم سے جو محبت ہے تو اس لئے کہ انہوں نے ہم کو راہ ہدایت دکھلائی۔ اس کے مکافات میں ہم ان کو کچھ ثواب بخش دیں کہ ان کی روح خوش ہو اور اس کے خوش ہونے سے خدا تعالیٰ خوش ہوں۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم لوگ ایصال ثواب سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کی اصلاح کرتے ہیں اور جس دن اصلاح عام ہو جائے گی اس دن ہم یہ بھی نہ کہیں گے۔ مگر جب تک اصلاح نہ ہو اس وقت ہم ضرور لا یجوز (نا جائز) کہتے رہیں گے۔ رہی بدنامی سو بحمد اللہ اشاعت دین میں ہم کو اس کی مطلق پرواہ نہیں ہمارا وہ مذہب ہے۔

ساقیا برخیزد دردہ جام را خاک برسر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں مانمی خواہیم ننگ و نام را

اگرچہ عقلاء ظاہر کے نزدیک ہماری حالت بظاہر ایسی ہے جس سے بدنامی ہوتی ہے مگر ہم ایسی نیک نامی نہیں چاہتے جس سے محبوب سے تعلق نہ ہو۔

غرض مقصود اس بیان سے حق کو ظاہر کرنا ہے اعتدال کے ساتھ اور اس کلیہ کو اگر آپ یاد رکھیں گے تو بہت سے اعمال میں آپ کو حد جواز و عدم جواز معلوم ہو جائے گی۔ (وعظ تقویم الزیغ، جلد 6، ص: 471)

نجات کی صورت

صَاحِبُو! کیا بھروسہ ہے کہ شام تک ہماری کیا حالت ہوگی اور چار دن کے بعد ہم کیا ہوں گے۔ اگر قبر میں ایمان ساتھ گیا تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ تو

جب ہم کو اپنی حالت پر اطمینان نہیں موجودہ حالت کے اعتبار سے بھی کہ اس میں صدہا نقص ہیں اور آئندہ کے اعتبار سے بھی کہ زیادہ بگڑ جانے کا اندیشہ ہے تو سخت جہل کی بات ہے کہ ہم دوسروں پر ہنسیں اور ان کو ذلت کی نظر سے دیکھیں۔

بڑا پاگل ہے وہ شخص کہ اس پر بیسیوں فوج داری کے مقدمات قائم ہیں۔ اور وہ دوسرے دیوانی کے مقدمات والوں کو ذلیل سمجھتا اور برا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ تو اس وجہ سے اس فرقے کو خصوصاً میں کہتا ہوں کہ اگرچہ تمہارے اعتقادات درست ہیں اور بظاہر اعمال بھی خراب نہیں معلوم ہوتے لیکن تم اپنی اندرونی حالت میں غور کرو اور اندرونی حالت کو اچھا نہ سمجھو۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مدار صرف عقائد پر ہے۔

اگر عقائد درست کر لئے تو پھر نجات ہے مگر یہ بالکل غلط ہے یہ صحیح ہے کہ عقائد درست ہونے سے کبھی نہ کبھی نجات ہو جائے گی لیکن محض عقائد پر نجات تام کا مدار سمجھنا غلط ہے۔ بعضے لوگوں کا خیال ہے کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرنا کافی ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو نہ سوال جواب ہو گا نہ حساب کتاب ہو گا۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کا ظاہر درست ہے مگر دل مثل بھیڑیئے کے نہایت سخت ہے۔ ایک بزرگ ایسے لوگوں کی شان میں کہتے ہیں۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل واندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت ننگ می دارد یزید

یعنی ظاہری حالت ان کی ایسی ہے جیسے کافر کی قبر مزین ہوتی ہے اور اس کے اندر خدا تعالیٰ کا قہر و غضب نازل ہوتا ہے۔ ظاہری حالت بایزید جیسی ہے اور باطن یزید کو بھی شرماتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ باطن کی بھی فکر کریں جس کا طریق یہ ہے کہ۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

زبانی جمع خرچ چھوڑ صاحب حال ہو۔ کسی کامل مرد کے سامنے زانو ادب رکھ۔

اصل علاج یہی ہے کہ اپنے کو بالکل مٹا دے اور تواضع پوری طرح اختیار کرے

اور یہی تواضع جڑ ہے اتفاق کی بھی۔ آج کل لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں مگر اتفاق کی جو جڑ ہے اس کو بالکل چھوڑ رکھا ہے کیونکہ اتفاق ہمیشہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے۔ اس سے کبھی اختلاف کی نوبت آ ہی نہیں سکتی۔

افسوس! آج اس پاکیزہ خصلت کو بالکل چھوڑ دیا گیا بلکہ اس کے برخلاف خودداری اور تکبر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لباس میں ہمیشہ ایسی وضع اختیار کی جائے کہ مجمع بھر میں ہمیں کو ممتاز اور بڑا سمجھا جائے اور غضب یہ ہے کہ اپنی اولاد کو بھی ابتداء ہی سے اس وضع کا عادی بناتے ہیں۔ غرض ہر فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو فرعون کا ہمسر سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایئے کیونکر ممکن ہے۔ صاحبو! اگر اتفاق کی واقعی تمنا ہے تو حضرات صوفیہ کے طرز پر چلنے کی کوشش کرو اور ان حضرات کے قدموں پر جا کر پھر دیکھو کیسا اتفاق ہوتا ہے۔ (وعظ تقویم الزیغ، جلد 6، ص: 474)

جلد 7 ... تکبر کے اَسباب

جو لوگ اپنے کو نیک اور پاک سمجھتے ہیں وہ ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیں کہ ہزاروں وسوسے موجود ہیں اور ایسے ایسے خطرات ہیں کہ اگر ہمارے معتقدین کو ان کی اطلاع ہو جاوے تو ابھی لاحول پڑھ کر بھاگ جاویں اور کبھی پاس بھی نہ آویں اور ہم خود بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارے اندر ہزاروں بلائیں موجود ہیں کہ غضب، شہوت، کینہ اور ایسے خطرات کہ جن پر گناہ لکھا جاتا ہے۔

یوں کہیے کہ خدا تعالیٰ نے حفاظت فرما رکھی ہے اگر اسباب معاصی کے ہمارے ہاتھ میں ہوں تو ہم گناہ کرنے میں کبھی دریغ نہ کریں ہم کو اپنے باطن کی خوب خبر ہے لیکن اس پر بھی اپنے اس لیے معتقد ہیں کہ دوسرے ہمارے معتقد ہیں۔ ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کے پاس ایک شریر گھوڑا تھا، اس نے ایک دوست سے کہا کہ اس کو بکوا دو اس نے بازار میں جا کر اس کی جھوٹی تعریفیں شروع کیں کہ یہ گھوڑا اچھا ہے ایسا

رہوار ہے، مالک صاحب بھی وہاں موجود تھے آپ اس سے چپکے سے کہتے ہیں کہ ،
جب یہ گھوڑا ایسا ہے تو میں اس کو کیوں بیچوں، اس نے کہا کہ ظالم تیرا پانچ برس کا تجربہ
میری تھوڑی دیر کی جھوٹی باتوں سے جاتا رہا۔

صاحبو! یہی حال ہمارا ہے کہ ہم برسوں سے اس نفس سرکش کا تجربہ کررہے ہیں اوراس کی سرکشی کا ہم کو علم ہے مگر وہ سارا علم وتجربہ معتقدین کی ذراسی بات سے جاتا رہتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ کوئی بات تو ہمارے اندر ہے جو یہ لوگ معتقد ہیں۔

بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے ایک بی بی نتھ اتار کر منہ دھورہی تھی۔ایک نائن آگئی اور بی بی کو اس حالت میں دیکھ کر دوڑی ہوئی نائی کے پاس گئی کہ بیٹھا کیا ہے، فلاں شخص کی بیوی رانڈ ہوگئی ہے اس کے میاں کو خبر دے میاں پردیس میں نوکر تھے وہ فوراً گیا اور جاکر کہا کہ میاں صاحب تمہاری بیوی بیوہ ہوگئی ہے وہ رونے لگے، نوکر چاکر دوست آشنا آئے، پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں کہا کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، سب ہنسنے لگے کہ آپ تو زندہ صحیح وسالم بیٹھے ہیں۔

پھر بیوی کے رانڈ ہونے کے کیا معنی۔کہا کہ ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن گھر سے بڑا معتبر نائی آیا ہے ہماری بالکل ایسی ہی مثال ہے کہ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے خوب واقف ہیں لیکن چونکہ ہمارے معتقد اور مرید بڑے معتبر ہیں اس لیے ان کے کہنے سے ہم کو ہمارے علم یقینی پر شبہ پڑ گیا۔

طرفہ یہ ہے کہ وہ لوگ خود مرید و معتقد بھی ہمارے ہی مکروں کی وجہ سے ہوئے ہیں، ہماری ریائی نماز اور ریاء کے لیے علمی تحقیقات بیان کرنے سے وہ ہمارے معتقد بنے ہیں۔پھر ان ہی کے کہنے سے ہم کو یقین آگیا اور یہ یاد نہ رہا کہ یہ ان کا کہنا بھی تو اسی اعتقاد کا ثمرہ ہے کہ جس کو مکر کرکے ہم نے ان کے دل میں بٹھایا ہے، کس قدر جہالت در جہالت ہے۔(وعظ النصوح، جلد 7، ص:238)

کلمہ طیبہ

ایک واقعہ قیامت کے دن کا حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کے گناہوں کے اعمال نامے منتہائے بصر تک ہوں گے اور وہ شخص اس پر مغفرت سے مایوس ہوگا اتفاق سے ایک ذرا سا پرچہ ان میں نکلے گا کہ اس کے رکھنے سے میزان حسنات کا پلہ وزنی ہوجاوے گا اس پرچہ میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا جس کو اس نے اخلاص سے کہا ہوگا اگرچہ ایک دفعہ ہی کہا ہو۔ دیکھئے ایک بار کے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے کتنا فائدہ حاصل ہوا اگرچہ شبہ ہو کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ خلوص سے کہا ہوگا اور ہم میں خلوص نہیں ہے جواب یہ ہے کہ اگر خلوص بھی نہ ہو تب بھی کہنا بے کار نہیں کہنے سے استعداد تو ہوجاوے گی اور یہ اول بار ہی کہنا آئندہ عمل پر معین ہوجائے گا لہٰذا ادنیٰ عمل کو بھی بے کار نہ سمجھو اور کوئی ساعت کسی نہ کسی عمل سے خالی نہ رہنے دو اسی لئے مشائخ نے پاس انفاس تجویز کیا ہے کچھ نہ کچھ سلسلہ رہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

صاحبو! وقت کو ضائع مت کرو ہر ہر وقت کی قدر کرو۔

(وعظ شب مبارک، جلد 7، ص:363)

رزق اور قسمت

صاحبو! رزق تو وہ چیز ہے کہ اگر نہ بھی مانگو تو اللہ تعالیٰ خود دیتے ہیں بلکہ اگر یہ بھی کہو کہ اے اللہ! مجھے روٹی نہ دینا تب بھی یہ دُعا قبول نہیں ہوتی اور دیتے ہیں (بلکہ ایسی دعا مانگنا گناہ ہے)

آنچہ نصیب است بہم میرسد　　گر نہ ستانی بہ ستم میرسد

جو کچھ قسمت میں ہے وہ ضرور مل کر رہے گا اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی دیا جائے گا۔

تو جب حق تعالیٰ روکنے سے بھی نہیں رکتے تو کیا فرمانبرداری پر روزی نہ دیں گے خاص کر جب وہ خود فرماویں بھی کہ ہم سے روزی طلب کرو اور پھر لوگوں کا یہ خیال فاسد

بدگمانی کردن و حرص آوری کفر باشد نزد خوان مہتری
بدگمانی وحرص کرنا خوان خداوندی کے سامنے کفر کی باتیں ہیں۔

دیکھو اجب حاکم کوئی مضمون بتلادے کہ یہ مسودہ صاف کر کے ہم کو پیش کرنا اگر قبول نہ کرنا ہوتا تو وہ کیوں ایسا کہتا ایسے ہی رزق کا طلب کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کا بتلایا ہوا ہے اگر ان کو روزی مرحمت فرمانی نہ ہوتی تو حکم کیوں دیتے۔ چنانچہ اس برأت کے موقعہ پر استغفار کی طلب کے ساتھ رزق کی طلب کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ہمارے اس ضعف پر نظر فرما کر کہ لوگوں کو روزی کی فکر مغفرت سے بھی زیادہ ہے۔ (وعظ شعبان، جلد 7، ص: 375)

لازوال دولت

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں وہ سب تکالیف سے نجات دیں گے لیکن اگر یہ ہوس کافی ہے تو تھوڑا سنکھیا بھی کھا لینا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہیں وہ بچالیں گے اور اگر سنکھیا کھا کر مرجانا خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کے منافی نہیں تو گناہ کر کے دوزخ میں جانا بھی اس کے غفور رحیم ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ پس اس کا بچاؤ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایمان اور محبت کی تکمیل اس کے آثار سے کی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ اطاعت پوری کی جائے اور گناہ کو ترک کیا جائے۔

صاحبو! کس قدر افسوس ہے کہ دنیا کے مکان کی تکمیل میں تو اس قدر انہماک کہ اگر ایک پرنالہ بھی رہ جائے تو چین نہ آئے اور قصر ایمان کی بنیاد تک ضعیف ہونے پر بھی پروا نہیں اور کچھ خیال نہیں کیا جاتا، علیٰ ہذا اگر کسی کپڑے کی آستینیں ناقص رہ جائیں تو اس کے لیے دس جگہ سے کپڑا تلاش کریں گے اور پیکر ایمان کے ہاتھ پاؤں قلم ہو جانے پر بھی غم نہیں۔ غرض آپ صاحبوں کے نزدیک ہر چیز کی تکمیل کی ضرورت ہے مگر ایمان کی تکمیل گویا محض بے سود ہے حالانکہ اس کی تکمیل سب سے اول وضروری ہے۔ (وعظ آثار المحبۃ، جلد 7، ص: 442)

جلد 8... سادگی اور عزت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام
کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اسلام سے عزت دی ہے۔

ہماری عزت قیمتی لباس سے نہیں ہے بلکہ خدا کی اطاعت سے عزت ہے مگر صحابہ کے اصرار سے ان کا دل خوش کرنے کے لئے درخواست منظور کر لی۔

چنانچہ ایک عمدہ قمیص لایا گیا جس کو پہن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے دو چار ہی قدم چلے تھے کہ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا کہ میرے دوستو! تم نے تو اپنے بھائی عمر کو ہلاک ہی کرنا چاہا تھا۔ واللہ! میں دیکھتا ہوں کہ اس لباس اور اس سواری سے میرا دل بگڑنے لگا ہے۔ تم میرا وہی پیوند لگا قمیص اور اونٹ لے آؤ۔ میں اسی لباس میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چلوں گا۔

صاحبو! جب ایسے شخص کا دل قیمتی لباس سے بگڑتا ہے تو کیا ہمارا دل اور ہمارا منہ نہ بگڑے گا۔ پھر ہم اپنے قلب کی نگہداشت سے اتنے غافل کیوں ہیں اور ہم کو کس چیز نے مطمئن کر دیا ہے کہ ہمارے لئے کوئی لباس مضر نہیں۔ اور یہ جو حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ نحن قوم الخ واقعی بات یہی ہے کہ اگر ہم خدا کے مطیع و فرمانبردار ہیں تو ہم سادہ لباس میں بھی معزز ہیں ورنہ قیمتی لباس سے بھی کچھ عزت نہیں ہو سکتی۔

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست ... باب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبا را

"جمال محبوب ہمارے عشق ناتمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ و روپ اور خط و خال کی حاجت نہیں ہے"

خوبصورت چہرہ کو زیب و زینت کی حاجت نہیں وہ تو ہر لباس میں حسین ہے۔ بناوٹ کی احتیاج اس کو ہے جس کو قدرتی حسن نصیب نہ ہو چنانچہ حضرت عمر صا پنا وہی لباس پہن کر چلے اور اونٹ ہی پر سوار ہوئے اور اسی لباس اور اسی سواری پر آپ کو

دیکھ کر نصاریٰ نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا کیونکہ جب آپ فصیل شہر کے قریب پہنچے اور نصاریٰ کو اطلاع ہوئی کہ خلیفہ اسلام تشریف لے آئے تو ان کا بڑا پادری فصیل پر آیا اور کتاب کھول کر حضرت عمرؓ کے حلیہ کو ان اوصاف سے ملانے لگا جو کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ حضرت عمر ایسے لباس اور ایسی سواری پر تشریف لائیں گے اس معمولی لباس ہی میں آپ کی عزت مخفی تھی۔

کہ آب چشمہ حیواں درون تاریکی ست

''چشمہ آب حیات کے اندرونی حصہ میں اندھیرا ہے''

اگر آپ قیمتی لباس میں آتے تو پیشین گوئی پوری نہ ہوتی۔

چنانچہ پادری نے جب سارے اوصاف کتاب کے موافق دیکھ لئے تو وہ چیخ مار کر گر پڑا اور کہا جلدی سے قلعہ کھول دو۔ (بخدا یہی وہ شخص ہے جس کا لقب توراۃ میں حدید ہے) یہی فاتح بیت المقدس ہے تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس طرح اللہ تعالیٰ نے بدوں جنگ و جدال کے بیت المقدس کو فتح کر دیا۔

صَاحِبُو! ہمیں تکلیف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں ہماری عزت تو سادگی ہی میں ہے۔ (جلد 8۔ مطاہر الاموال ص 406)

اہل اللہ کی اِصلاح

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک بار چلے جا رہے تھے کتا سامنے آ گیا آپ نے اس سے دامن بچایا کتے نے کہا کہ مجھ سے دامن اس لئے بچاتے ہو کہ میں ناپاک ہوں۔ مگر یاد رکھو میرا تو ظاہر ہی ناپاک ہے اور تمہارا باطن تکبر کی وجہ سے ناپاک ہے میری ناپاکی تو سات بار پانی بہانے سے دور ہو سکتی ہے مگر تمہاری ناپاکی باطنی سات سمندروں سے بھی پاک نہیں ہو سکتی۔ حضرت بایزید روئے اور کہا آؤ دونوں دوستی کر لیں۔ ہم بھی ناپاک تو بھی ناپاک۔ اس نے کہا میری تمہاری کیا دوستی تم جہاں جاتے ہو

تمہاری تعظیم کی جاتی ہے اور میں جہاں جاتا ہوں دھتکارا جاتا ہوں آپ پھر روئے اور فرمایا جو شخص کتے کی دوستی کے لائق نہ ہو وہ خدا تعالیٰ کی دوستی کے کب لائق ہوگا۔

صَاحِبُو! اہل اللہ کی اس طرح اصلاح ہوتی ہے اور یوں ان کے دل کو پاک کیا جاتا ہے ان ہی حضرت بایزید کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک بار عید کے دن حمام سے نہا دھو کر عمدہ لباس پہن کر نکلے آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص نے اپنے مکان سے کوڑے اور راکھ کا ٹوکرا غلطی سے آپ کے اوپر ڈال دیا۔ تمام بدن اور لباس ملوث ہو گیا مگر آپ کے چہرہ پر بل نہیں پڑا۔ فوراً نفس کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نفس تو تو جہنم کے لائق ہے اگر راکھ ہی پر صلح ہو جائے تو تیری خوش نصیبی ہے۔

صَاحِبُو! یہ ہے دل کی پاکی جس کا اس جگہ بیان ہے اس سے آج کل مسلمان بالکل بے خبر ہیں۔ اس بے خبری کی بدولت ہماری یہ حالت ہے کہ دشمنوں سے تو کیا موافقت کرتے دوستوں سے بھی اختلاف وجدال کرتے رہتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوسانت خلاف است و جنگ

مردانِ راہ خدا نے دشمنوں کے دل کو بھی رنجیدہ نہیں کیا۔ تجھ کو یہ مرتبہ کب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ بھی تیری لڑائی اور ان سے مخالفت ہے۔

حضرت جس کو اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس کو اتنی مہلت ہی نہیں ہوتی جو کسی سے لڑائی جھگڑا کرے۔ اس کو دشمنوں سے لڑائی کا موقع تو کیا ملتا دوستوں سے ملاقات کا وقت بھی نہیں ملتا۔ وہ سب سے الگ رہتا ہے نہ کسی سے دوستی بڑھاتا ہے نہ دشمنی پیدا کرتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد کیں دلم از صلح ہا ہم مے برد

اچھی اور بری لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ میرا دل صلح وآشتی سے جیتا جا سکتا ہے۔ (جلد 8 وعظ مطاہر الاموال ص 419)

قرآنی طرزِ نصیحت

ایک واعظ صاحب نے وعظ فرمایا اور وعظ میں یہ فرمایا کہ علی گڑھ کالج والے سودی ڈگریاں کرتے ہیں اس لئے ملعون ہیں۔ بات تو صحیح تھی مگر الفاظ سخت تھے اس لئے سامعین کو گراں گزرا اور ناگوار ہوا۔ سامعین بگڑ گئے جب لوگوں کی ناگواری کا مہتمم جلسہ کو احساس ہوا تو اس کا تدارک کرنے کے واسطے کھڑے ہوئے اور خود تقریر کی کہ خدا اور رسولؐ نے یہی کہا ہے جو واعظ صاحب نے فرمایا ہے۔ وہ غیر ڈ لک مگر مہتمم صاحب کی تقریر سے بھی اس کا کوئی تدارک نہ ہوا۔ تو مہتمم صاحب میرے پاس بھاگے ہوئے آئے۔ غریب کی جورو سب کی بھابھی۔ چونکہ مجھ کو اپنے کرم فرماؤں سے انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس لئے ہر ایسے موقع پر مجھے ہی سب پھنسانا چاہتے ہیں۔ اول تو میں نے کہا کہ تمہاری یہی سزا ہے۔ بات کہو مگر نرمی سے کہو سختی کی کیا ضرورت ہے کر دتم اور بھگتوں میں یہ اچھی رہی مگر وہ اصرار کرنے لگے تو میں کھڑا ہوا۔

میں نے کہا صاحبو! اعمال وافعال مباحہ میں نیت پر مدار ہے۔ تو اگر کوئی شخص سخت لفظ کہہ دے مگر نیت مذموم نہ ہو تو ناگوار نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ نیت تو مذموم نہیں ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ مولوی صاحب کی نیت کیا تھی ظاہر ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے محض شفقت کی راہ سے کہا ہے جیسے کسی کا لڑکا زہر کھانے لگے اور وہ اس کو سختی کے ساتھ دھمکائے تو اس سے کسی کو ناگواری نہیں ہوتی کیونکہ جانتے ہیں کہ منشاء اس کا محض شفقت ہے اب بتلائیے کہ ہم لوگ جو بُرے افعال کرتے ہیں ان سے مولوی صاحب کا کیا نقصان ہے اور اگر ہم پارسا ہو جائیں تو اس سے مولوی صاحب کا کیا نفع ہے۔ ظاہر ہے کہ نفع نقصان جو کچھ ہے ہمارا ہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ہم کو مضر باتوں سے سختی کے ساتھ روکتا ہے تو یہ اس کی شفقت ہے یا نہیں۔ اس کو آپ کی حالت بگڑنے پر افسوس ہوتا ہے اس لئے غصہ اور تیزی کے ساتھ آپ کو روکنا چاہتا ہے۔

اگر شفقت نہ ہوتی تو اس کی جوتی کو غرض پڑی تھی جو کسی کی اصلاح کے درپے ہوتا۔

علاوہ ازیں مجھ کو حیرت ہے کہ آپ لوگ تو فطرت کے بہت معتقد ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ آدمی فطرۃً مختلف المزاج پیدا ہوئے ہیں مزاجوں میں باہم بہت بڑا تفاوت ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی سب کو معلوم ہے اور ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ایک ہمارے حضور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو آپ نے مولوی صاحب کی سختی کو فطرت کا تابع کیوں نہ تجویز کر لیا۔

پھر میں نے اسلامی احکام اور کالج والوں کا ان سے بعد بیان کر کے اخیر میں کہا کہ اب آپ ہی بتلایئے کہ ایسا شخص جو ان احکام کی پابندی نہ کرے مرحوم برحمت خاص ہو سکتا ہے یا رحمت خاص سے اس کو بعد ہو گا اور یہی معنی ہیں لعنت کے۔ بس آپ ہی فیصلہ کر دیجئے ہم کچھ نہیں کہتے تو میں نے دونوں قسم کے افعال بیان کر کے فیصلہ خود ان سے چاہا۔ جس سے سب سامعین خود معترف ہو گئے کہ ہم ہی خطاوار ہیں۔ (جلد 8 وعظ تاسیس البنیان ص 460)

جلد ⑨... تفسیر بالرائے

صاحبو! اگر تم اپنی رائے سے دین پر چل سکتے ہو تو پھر اہل اللہ کس مرض کی دوا ہیں اور اگر تم کو کتابیں دیکھ کر اطباء روحانی سے استغناء ہو سکتا ہے تو اطباء جسمانی سے استغناء کیوں نہیں ہوا کیونکہ یہاں بھی تو کتابیں اور قرابادین موجود ہیں۔ بس کتاب دیکھ کر علاج کر لیا کرو۔

یاد رکھو! کتابوں سے کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ طبیب کتابی نسخوں میں اجتہاد کرتا ہے۔ کتر بیونت کرتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کے لئے کون سی دوا اور کون سا نسخہ موافق ہے اور وزن کتنا ہونا چاہئے۔ اسی طرح دین کے راستہ میں بھی طبیب کامل امور اختیاریہ میں کتر بیونت کرتا ہے۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ یہ کتر بیونت اصول و

مقاصد میں نہیں ہوتی بلکہ طریق وتدبیر میں ہوتی ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ آج کل بعض لوگ علماء سے اصول و مقاصد میں کتر بیونت کی درخواست کرتے ہیں کہ ذرا سا سود جائز کردو۔ ذراسی رشوت جائز کردو۔ یہ سوال حماقت کا سوال ہے کیونکہ اصول و مقاصد میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہوسکتا۔ اور بعضے علماء سے بھی درخواست نہیں کرتے بلکہ خود ہی کتر بیونت شروع کردیتے ہیں۔

چنانچہ ایک شخص نے یہ غضب کیا کہ سود کی حلت پر ایک رسالہ لکھ مارا اور اس میں لکھا کہ سود حرام نہیں اور حرم الربوا میں لفظ ربوا بالکسر نہیں بلکہ رُبا بالضم ہے جو ربودن سے ماخذ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غصب کو حرام کیا ہے کسی کا مال جبراً نہ چھینو۔

اس سے کوئی پوچھے کہ جو ربا ربودن سے ماخوذ ہوگا، وہ عربی لفظ ہوگا یا فارسی۔ ظالم نے قرآن کو فارسی کا قرآن بنا دیا۔ مگر غنیمت ہے کہ اس نے ایسی تحریف کی جس کی غلطی پر مسلمان مطلع ہوسکتا ہے (اور بعضے ایسا دھوکا دیتے ہیں جس سے عوام گمراہ ہوجاتے ہیں۔ (جلد 9 وعظ الصبر والصلوٰۃ ص 187)

قصہ مشہور ہے کہ ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا پھر اس سے کہنے لگا کہ معاف کرنا میں تمہارے سینگ پر بہت دیر سے بیٹھا ہوں بیل نے کہا مجھے تو یہ بھی خبر نہیں کہ تو کب آیا اور کب چلا گیا۔ تو نے اطلاع کر کے خواہ مخواہ اپنے ذمہ احسان رکھا۔ نمرود کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی۔ کہ ایک مچھر مجھے ہلاک کردے گا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس حقیر جانور سے اسکو ہلاک کردیا۔ مچھر کو حکم دیا کہ اس کے دماغ میں گھس جا اور اسکا بھیجا کھانا شروع کر۔ بس! اب کیا تھا کہ لگا نمرود ناچنے ہزار دوائیں کیں مگر سب بے سود۔ پھر تماشا یہ کہ جب مچھر دماغ میں کاٹتا اس وقت ایسا بے چین ہوتا کہ اپنے سر پر نوکروں کے ہاتھوں سے جوتے لگواتا جب کچھ چین آتا (یہ تھا دعویٰ خدائی کا انجام کہ نوکروں کے ہاتھوں سے جوتے کھاتا)

صاحبو! واقعی خدا کی رحمت وقدرت ہے کہ وہ اس لشکر کو ہمارے دماغ سے

روکتے ہیں کہ سوتے ہوئے ہمارے دماغ میں نہیں گھس جاتے۔ جیسے لشکر کے لیے حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ بعض دفعہ تیل لگا کر جو سونے کا اتفاق ہوا تو جاگ کر یہ دیکھا کہ تکیہ کے اوپر چیونٹیوں کا لشکر موجود ہے مگر سر میں اور دماغ میں ایک نہیں ہوتی یہ خدا تعالیٰ کی حفاظت نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر انسان اپنے اندر خاصیت سمجھتا ہے کہ یہ جانور اس خاصیت کی وجہ سے مجھ سے دور رہتے ہیں۔ افسوس حفاظت تو کرے خدا اور سائنس والے اپنے اندر خاصیت کے قائل ہو گئے۔ مگر ان سے کوئی پوچھے کہ یہ اس وقت کہاں جاتی رہتی ہے جب کان اور ناک وغیرہ میں بعض دفعہ جانور گھس جاتا ہے۔

اور ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں اس کا انکار نہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں اور جب کبھی وہ کسی حکمت سے اپنی حفاظت کو اٹھا لیتے ہیں اس وقت انسان کا عجز ظاہر ہو جاتا ہے۔ (جلد 9 وعظ السمر بالصبر ص 220)

اہل اللہ کا استغناء

یہ مت سمجھو کہ طاعت کی لذت آخرت ہی میں ملتی ہے آخر اہل اللہ جو ساری دنیا کو چھوڑ کے خوش خوش اور مگن پھرتے ہیں تو کیا سب پاگل ہو گئے ہیں کہ ملتا ملاتا کچھ نہیں اور خواہ مخواہ خوش ہیں۔

صاحبو! جس کے پاس کچھ دولت نہ ہو وہ اتنا خوش نہیں رہ سکتا۔ بلکہ دنیوی دولت والے بھی انکے برابر خوش نہیں ہو سکتے۔ اگر کہو کہ یہ خوشی نری بناوٹ ہے تو اول تو بناوٹ کب تک بناوٹ رہ سکتی ہے پھر یہ بناوٹ کس فائدہ کیلئے۔ دوسرے وہ خوشی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ بناوٹ سے لاکھ خوشی پیدا کیجئے کبھی وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔

حضرت! جو مستی شراب میں ہے وہ بناوٹ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ شراب نہ پینے والا لاکھ جھومے وہ بات پیدا نہیں کر سکتا۔ شراب پینے والے کی طرف وہ بے خود نہیں بن سکتا۔ اس کی بناوٹ فوراً ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس سمجھ لو کہ اہل اللہ کا یہ استغنا ان کی یہ

آزادی اور یہ بے پروائی کہ نہ امیر کی پرواہ ہے نہ وزیر کی بناوٹ سے نہیں ہو سکتی۔
اہل اللہ کے استغناء کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔

ایک واقعہ مجھے اس وقت بھی یاد آ گیا کہ جہانگیر بادشاہ ایک مرتبہ حضرت سلیم چشتی کی زیارت کو آئے۔ حضرت سلیم چشتی اپنی گدڑی جوئیں دیکھنے کے لئے خادم کے سپرد کر کے اسی وقت حجرے میں تشریف لے گئے تھے۔ خادم نے جو شاہی تزک واحتشام دیکھا گھبرا گیا۔ اور گھبرا کر شیخ کو پکارا کہ حضرت ذرا باہر آیئے۔ شیخ باہر تشریف لائے پوچھا کیوں کیا ہے؟ کہا بادشاہ سلامت آ رہے ہیں۔ فرمایا کیا کروں اگر آ رہے ہیں کوئی میں نے ان کی دعوت کی تھی۔ وہ تو اپنی خوشی سے آ رہے ہیں آنے دے۔ میں تو تیری اس گھبراہٹ کی آواز سے یہ سمجھا کہ کوئی بڑی سی جوں نکل آئی ہے۔ اس کے دکھانے کو بلا رہا ہے۔ اسلئے باہر آ گیا بادشاہ کے لئے تو نے خواہ مخواہ مجھے پکارا۔

اللہ اکبر! ان حضرت کی نگاہ میں جہانگیر کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی ایک جوں کی ہے۔
صاحبو! کیا یہ استغناء اور یہ آزادی یوں ہی خالی خولی تھی یہ تو ناممکن ہے اور اگر خالی ہی تھی تو کوئی اور تو کر کے دکھلا دے۔ (جلد 9 وعظ الامتحان ص 312)

تزکیہ قلب کی برکات

صاحبو! دل صاف ہو جائے تو اسی کے اندر ایسی بہار نظر آتی ہے کہ کسی باغ اور تفریح گاہ کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر عقل یک دم باخود آر دمبدم در تو خزاں ست و بہار

"اے بھائی! تھوڑی دیر عقل سے کام لے۔ ہر وقت تجھ میں بہار و خزاں موجود ہے۔"

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ستم است گر بدست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

معشوق کا ظلم اگر تجھے باغ کی سیر پر مجبور کرے تو تو کہہ کہ تو غنچہ سے کم نہیں ہے۔

دل کا دروازہ کھول اور باغ میں آجا۔" .....اور جس کو یہ دولت حاصل ہو اس کو کسی تکلیف اور مصیبت کی پرواہ نہیں رہتی۔ بلکہ وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے کیونکہ اس کو ایک بڑی دولت حاصل ہے جس کے یہ خواص ہیں۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ جنت ست آں گر چہ باشد قعر چاہ
ہر کجا دلبر بود خرم نشین فوق گردوں ست نے قعر زمین
با تو دوزخ جنت ست اے جاں فزا بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

جس جگہ خوبصورت معشوق ہوتا ہے وہ جگہ باغ ہو جاتی ہے چاہے گہرا کنواں کیوں نہ ہو۔ جس جگہ معشوق ہو خوش بیٹھ جا۔ نہ آسمان کی بلندی کا خیال کر۔ نہ زمین کی گہرائی کا۔ تیرے ساتھ تکلیف بھی راحت ہے۔ اے دوست اور تیرے بغیر جنت بھی دوزخ ہے اے دوست غرض! اسلام سے دولت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ کو خدا مل جاتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

اتصال بے کیف بے قیاس ہست رب الناس راباجان ناس

لوگوں کی جان کیساتھ اللہ تعالیٰ کا شامل ہونا بغیر و مایافت کے (جسکا اندازہ نہیں ہوسکتا) بے انتہا ہے۔ (جلد 9 وعظ الاجر النبیل ص 451)

تقلید شخصی

صاحبو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ تعلق کیونکر نہ پیدا کیا جائے حالانکہ شیخ کے ساتھ بھی جو ایک مخلوق ہے اسی معاملہ کی ضرورت ہے۔ شیخ سے جس کام کے لئے تعلق پیدا کیا جاتا ہے وہ بدوں تفویض کے نہیں ہوسکتا کہ جو حالت پیش آئے۔ اس کو شیخ سے عرض کر کے بے فکر ہو جائے۔ اس کے بدوں کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ تسلی کی یہی صورت ہے کہ ایک شخص پر اعتماد کر کے جو وہ کہے اس کے موافق کام کرتے جاؤ بے فکر ہو جاؤ۔ اور یہی حکمت ہے تقلید شخصی میں۔ واللہ بدوں تقلید کے غیر مجتہد کو۔ بشرطیکہ خدا

کا خوف اس کے دل میں ہو کبھی چین نہیں مل سکتا۔ جب چاہو تجربہ کر کے دیکھ لو۔ پس اگر شیخ تمہاری تسلی کرے تو تم تسلی رکھو اور فکر میں نہ پڑو۔

یہاں تھانہ بھون میں ہی ایک حافظ صاحب تھے۔ وہ مولانا گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے کچھ حالات مجھ سے بیان کئے میں نے تسلی کی کہ یہ حالت بری نہیں بے فکر رہو۔ کہنے لگے کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہی سے بھی عرض کیا تھا۔ انہوں نے بھی تسلی کی تھی۔ میں یوں سمجھا کہ ویسے ہی میرا دل بہلانے کو تسلی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا حافظ صاحب توبہ کیجئے۔

مولانا کو جھوٹی تسلی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کسی کے نوکر ہیں ان کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے۔ جو بلا وجہ آپ کی تسلی کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت پر اعتماد نہیں۔ اب ان کی آنکھیں کھلیں اور چین سے بیٹھے۔ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر شیخ کی تسلی غلط بھی ہو جب بھی تم کو وہی نافع ہے۔ اگر تم اس کو غلط سمجھو گے تم کو نقصان ہوگا۔ تو جب شیخ کے ساتھ بھی اسی معاملہ کی ضرورت ہے تو حیرت ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تفویض کا تعلق نہ ہو۔ (جلد 9 وعظ الاجر النبیل ص 486)

جلد ⑩...وسوسہ اور اس کا علاج

شیطان وساوس ڈال کر قرب الٰہی سے محروم رکھتا ہے۔ سو جو شخص وسوسہ کی فکر میں مشغول ہو جاتا ہے وہ ترقی سے رک جاتا ہے اور جو اس میں مشغول نہیں ہوتا ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ مقام قرب حاصل ہو جاتا ہے اور جب مقام قرب حاصل ہوتا ہے تو وساوس بھی منقطع ہو جاتے ہیں کیونکہ دربار میں شیطان کا دخل کہاں اور اسی لئے بزرگوں نے وساوس کا علاج تجویز کیا ہے عدم التفات یعنی وساوس کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ اس کے سوا اس کی تدبیر نہیں۔

غرض کہ جیسے ریا کا وسوسہ ریا نہیں اسی طرح کفر کا وسوسہ کفر نہیں اور نہ مذموم ہی ہے

اورراز اس میں یہ ہے کہ وہ قلب کے اندر نہیں گو معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسے قلب کے اندر ہی ہے۔اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آئینہ پر مکھی بیٹھی ہو اور اس کا عکس آئینہ میں پڑتا ہو۔اس لئے اندر مکھی نظر آتی ہے حالانکہ اندر نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایسے غیر اختیاری وساوس قلب کے اندر نہیں ہوتے۔قلب میں تو ذکر ومحبت خدا کی ہوتی ہے اور وسوسہ قلب کے باہر ہے۔اہل اللہ کے قلب میں اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے سالک کو قلب قوی رکھنا چاہیے اور کام میں لگے رہنا چاہیے۔اگر زیادہ خلجان ہو تو یوں دل کو سمجھائے کہ اور کچھ نہ ہو ذکر لفظی تو ہے نہ یہ کہ اس فکر میں پڑ جائے کہ یکسوئی کیوں نہیں ہوتی۔

فکر دو ہیں۔ایک تو اصلاح کی فکر سو یہ تو ہونا چاہیے اور ایک ہے یکسوئی اور کیفیات جس سے اصل کام ہی جاتا رہا مثلاً اس کا اہتمام کیا کہ قلب میں کوئی چیز نہ ہو اور اس میں کامیابی نہ ہونے سے یہ خیال کیا کہ میرا ذکر بیکار جارہا ہے۔بس ذکر ہی کو چھوڑ بیٹھے۔اور غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ منشا اس کا کبر ہے۔یعنی اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ میں اپنے عمل وذکر میں موجودہ حالت سے زیادہ کا مستحق تھا مگر مجھ کو ملا نہیں۔اتنے دنوں ذکر کیا مگر ہنوز روز اول ہے۔پس یہ کبر ہے ورنہ اگر سچا عاشق ہوتو اس کو بھی غنیمت سمجھتا کہ اس کا نام لینا تو میسر ہو گیا اسی واسطے تو کہتے ہیں ؎

ادائے حق محبت عنایت ست زدوست وگرنہ عاشق مسکیں بہیچ خورسند است

اگر تمام عمر ذکر لفظی ہی کی پابندی ہو جائے تو یہ بھی غنیمت ہے ہم تو اس کے بھی مستحق نہ تھے۔غلو کرنا تواضع میں بعض اوقات کبر تک پہنچا دیتا ہے۔دیکھو اس نے تواضع کی تھی کہ اپنی حالت کو حقیر سمجھا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ یہ خیال جمایا کہ میں کام تو اتنا کرتا ہوں مگر میری حالت ایسی بری ہے۔بس کبر تک پہنچ گیا

صاحبو! ہماری نماز کیا ہمارا روزہ کیا۔اس پر جو انعام بھی ہو جائے احسان سمجھنا چاہیے اب یہ خیال کرنا کہ مجھے زیادہ ملنا چاہیے تھا یہ ناقدری ہے۔

بہر حال لفظ اسم بڑھانے میں یہ نکتہ تھا۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ زبان سے اللہ اللہ کرنے کو غنیمت سمجھے حقیر نہ سمجھے۔ جب غنیمت سمجھے گا تو شکر کرے گا اور شکر پر یہ وعدہ ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم (ابراھیم: 7)

اس سے ترقی ہوگی۔ پس جس کی طلب ہے اس تک پہنچ جائے گا خلاصہ یہ کہ ذکر اسم ربہ میں تمام برائیوں سے بچنے کی تدبیر بتلائی ہے کہ ذکر کرنے میں مشغول ہو جاؤ۔ سب برائیوں سے بچ جاؤ گے۔ (جلد 10 وعظ الصلوٰۃ ص 39)

تقویٰ کی مشق

ایک بزرگ نے اسی طریقہ سے نفس کو ذاکر دائمی بنانے کی تدبیر بتلائی ہے مثلاً تم کو مظفر نگر جانا ہے تو نفس سے اگر یہ کہتے کہ اے نفس مظفر نگر پہنچنے تک اللہ اللہ کر تو نفس ہرگز راضی نہ ہوتا۔ نفس سے صلح کی۔ اے نفس صرف اسٹیشن تک ذکر کرلے پھر جب اسٹیشن تک پہنچے تو کہو کہ اے نفس صرف نانوتہ تک اللہ اللہ کرلے۔ اسی طرح نانوتہ پہنچ کر رامپور تک صلح کرلے۔ حتیٰ کہ مظفر نگر تک اللہ اللہ کرتے چلے جایئے۔

اگر ابتدا سے نفس پر بار ڈالتے تو نفس کبھی منقاد (تابعدار) نہ ہوتا۔

لیکن ان بزرگ نے کسی بزرگ ہی نفس کو دیکھا تھا۔ ہمارا نفس تو اس حکمت کو اول ہی سے سمجھ کر کبھی کہنا نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ ناس کرے اس نفس کا کہ اس نے بہت راہ مارا ہے تاہم باوجود شرارت کے اس میں یہ خاصا ہے کہ اگر اس کو راہ پر لانا چاہیں تو کچھ تو آہی جاتا ہے۔ اس کی بچہ کی سی خاصیت ہے کہ بچہ بہلائے سے بہل بھی جاتا ہے۔

پس تم بھی نفس سے کہہ دو کہ عید کے دن تک تو متقی ہو جا۔ بعد میں تجھ کو اختیار ہے۔

اگر کوئی کہے کہ عید تک متقی ہونے سے کیا نفع۔

تقویٰ تو جب ہی کارآمد ہے جب کہ مرنے تک ہو۔

صَاحِبُو! میں اس میں ایک فائدہ سمجھے ہوئے ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایک تدبیر ہے دائمی تقویٰ حاصل کرنے کی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس جو تقویٰ کی طرف مائل اور معصیت سے نفور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کی لذت اور معصیت کی کدورت سے واقف نہیں۔ (جلد 10 وعظ الصیام ص 137)

روزہ کے حقوق

صَاحِبُو! ہم لوگوں کو خوش ہونا چاہیے کہ رمضان المبارک کا مہینہ آ رہا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ روزہ کتنی بڑی عبادت ہے اور یہ مہینہ کس قدر بابرکت ہے۔

ہمیں چاہئے کہ روزہ کے حقوق ادا کرنے کا بہت اہتمام رکھیں اور ہمیشہ اس کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ رمضان المبارک کے ختم تک اس کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہونے پائے۔ بالخصوص، غیبت، بری نگاہ، حرام روزی بالکل ہی چھوڑ دیں گو یہ گناہ ہمیشہ ہی برے ہیں اور ان کو ہمیشہ ہی کے لئے چھوڑ دینا چاہیے مگر رمضان میں بالخصوص ان سے اور زیادہ بچنا چاہیے۔

ایک عبادت رمضان المبارک کی تراویح ہے۔ اس میں پریشان نہ ہوں کہ صاحب گرمی میں کھڑا نہیں رہا جاتا۔ ابھی تو بفضلہٖ راتوں کو ٹھنڈ رہتی ہے اور اگر کچھ مشقت بھی ہو تو کیا ہے۔ یہ رمضان المبارک کی خاص عبادت ہے۔ آخر دنیا کے واسطے بھی تو کتنی کتنی مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹہ کا کام ہے پھر تھوڑی تھوڑی دیر بعد سلام پھیرتے رہتے ہیں اور ہر چار رکعت کے بعد آرام کے لئے وقفہ ملتا رہتا ہے۔ اس میں پنکھا کر لیا کریں۔ لیکن امام کے ساتھ فوراً نماز میں شامل ہو جانا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جب امام رکوع میں جانے لگا تب شریک ہوئے۔ غرض اس مبارک مہینہ میں نہایت خوشی کے ساتھ اور نہایت رغبت اور شوق کے ساتھ عبادت کرنی چاہیے اور جتنے گناہ ہیں سب کو چھوڑ دینا چاہیے یہ اجمالاً حقوق ہیں رمضان المبارک کے۔

باقی اس سے قبل کا حق یہ ہے کہ چاند کی تحقیق کی جائے۔ سو اب تک جو تحقیق ہوئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعبان کی پہلی بدھ کی روز تھی۔ تو بدھ بدھ ۲۹، لہٰذا بدھ کے روز چاند کی تلاش چاہیے۔ بدھ کے دن چاند کو دیکھیں۔ اگر نظر آ جائے تو دوسرے دن سے روزے رکھیں۔ اور تراویح اسی دن سے شروع کر دیں۔ ورنہ ۳۰ دن پورے کر کے شروع کریں یہ ہے حکم چاند کے متعلق۔

لیکن جو کوئی چاند دیکھے وہ مدرسہ میں اطلاع کر دے کیونکہ بہت سے مسائل ایسے باریک ہیں جن کو اہل علم ہی جانتے ہیں۔ لہٰذا خود اپنی تحقیق پر عمل نہیں چاہیئے۔ کسی عالم کے فتویٰ کے موافق عمل کرنا چاہیے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شعبان کی پہلی منگل کو تھی تو پھر چاند منگل کی شام کو بھی دیکھنا چاہیے۔ بہرحال یہ چاند کے احکام ہیں اور وہ جو میں بیان کر چکا ہوں اجمالاً روزہ کے حقوق تھے۔

میں نے اس واسطے اتنے جملے اس وقت کہہ دیئے ہیں کہ بعد نماز کے شاید بعض بیچارے چلے جائیں۔ ورنہ اگر بعد نماز کے بھی ٹھہرنا ہو تو بیان کا بھی ارادہ ہے۔ جس کا جی چاہے سننے کے لئے ٹھہر جائے اور جو اس وقت حاضر نہیں ہیں ان کو بھی یہ احکام پہنچا دیں۔ خصوص عورتوں کو غیبت سے بچنے کی اور نماز کی پابندی کی ذرا زیادہ تاکید کر دیں۔ یہ غیبتیں بہت کرتی ہیں اور اپنے روزوں کو تباہ کرتی ہیں۔ اور اکثر نماز کی بھی پابندی کم ہوتی ہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھا دیں کیونکہ مردوں کے ذمے ان کا حق ہے۔ سمجھا بھی دیں اور جب خلاف کریں ٹوک بھی دیں کہ دیکھو تم نے کیا کہا تھا اور اب تم کیا کر رہی ہو۔ (جلد 10 وعظ رمضان فی رمضان ص 202)

تلاوت کی اہمیت

صَاحِبُو! کیا مجازی محبوب کی گفتگو اور خط ملنے کا وقت تو پیارا اور عزیز ہو اور محبوب حقیقی کے کلام نازل ہونے کا وقت مشرف و ممتاز نہ ہو قطع نظر اس کے کہ خدا کا کلام ہے اور اس کو انتساب ایک ذات عظیم کے ساتھ ہے۔

یہ بھی دیکھو کہ اس آفتاب کے نور نے تمہارے قلوب کو کیا روشنی بخشی ہے اور تم کو کس ضغطہ کی حالت سے نکالا ہے تمہارے اعتبار سے کیا نافع ہوا ہے ورنہ اگر اس کلام الٰہی کو صرف حق تعالیٰ سے ہی تعلق رہتا۔ تم سے تعلق نہ ہوتا تو تم اس سے کیسے مستفید ہوتے۔ غور کرو اگر آفتاب دنیا چند روز تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوجائے اور تم اس زمانہ میں بیمار بھی ہو۔ یا مثلاً ایک ماہ تک لگاتار بارش رہے اور گھڑی بھر کو بادل نہ ہٹے تو تمہاری کیا حالت ہوگی۔ آخر یہ اس قدر پریشانی کیوں ہے محض اس وجہ سے کہ خدا نے تم کو ایک نور دیا تھا جو برائے چندے تم سے لے لیا گیا ہے۔
اور پھر خدا کا فضل دیکھو کہ نور بھی کس چیز سے دیا جو کہ تم سے لاکھوں کوس دور (لاکھوں میل) مگر اس کی شعاعیں ہیں کہ تم کو منور کر رہی ہیں اور تم طرح طرح کے فائدے اس سے حاصل کر رہے ہو۔ اور اگر شعاعیں نہ ہوتیں تو گو نور آفتاب کے ساتھ پھر بھی تعلق ہوتا۔ مگر چونکہ تم تک نہ پہنچتا۔ اس لئے تم اس کے فیض سے محروم رہتے۔ اسی طرح کلام اللہ صفت قدیم ہے کہ وہ مثل آفتاب کے ہے اور اس کے لئے کچھ شعاعیں ہیں جو تم پر فائض ہو رہی ہیں جن کو کلام لفظی کہا جاتا ہے۔

صاحبو! اگر آفتاب ہوتا اور یہ شعاعیں نہ ہوتیں تو ہم اسکے فیض سے کس طرح فیض یاب ہوتے۔ علیٰ ہذا کلام نفسی کیلئے کلام لفظی کی شعاعیں نہ ہوتیں تو اس صفت کی فیضان سے کس طرح فیض حاصل کرتے اور چونکہ کلام اللہ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ یہ خاص تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کلام مجید کی تلاوت سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ خواہ سمجھ کر پڑھا جائے یا بے سمجھے پڑھا جائے برخلاف دوسرے اعمال لسانیہ (زبان کے دوسرے عملوں کے) مثل دعا وذکر کے کہ اگر ان کو بے سمجھے کرو تو اس درجہ معتد بہ محبوب نہیں مگر قرآن ہر طرح مقبول ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کی حکایت ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے۔ ارشاد ہوا قرأت قرآن یعنی قرآن پڑھنا۔ امام صاحب نے عرض کیا بفہم او بلا

فہم یعنی سمجھ کر یا بلا سمجھے۔ارشاد ہوا بفہم او بلا فہم یعنی کسی طرح ہو۔
اور کچھ مدار اس کا خواب ہی پر نہیں بلکہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ظاہر ہے کہ حروف صرف الفاظ ہیں۔ان کی تلاوت بلا فہم پر بھی تلاوت صادق آتا ہے۔معلوم ہوا کہ بلا فہم بھی قبول تام ہے گو فہم پر اتم ہوتا ہے۔(بغیر سمجھے پڑھنا بھی مقبول ہے اگر چہ سمجھ کر پڑھنا زیادہ مقبول ہے)۔(جلد 10 وعظ احکام العشر الاخیرہ ص 284)

بے علم واعظوں کی غلطی

صاحبو! یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے۔ثواب کا بھی ایک قانون ہے۔عذاب کا بھی ایک قانون مقرر ہے ثواب کا کام تو یہی ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے وسارعوا الآیۃ یعنی تقویٰ حاصل کرو اور مغفرت وجنت لے لو۔تو معلوم ہوا کہ مغفرت ورحمت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے اور نہ اگر اس کو اختیار میں نہ مانا جائے تو سارعوا کے کوئی معنی نہیں ہوں گے کیونکہ تکلیف مالا یطاق محال ہے اور خلاف نص ہے اور یہاں امر ہوا مسارعت الی المغفرت کا تو ضرور وہ تحت الاختیار ہے۔پس جب رمضان کی رحمت اور مغفرت کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہے تو اس کی تحصیل کی کوشش کرو اور اس وعید رغم انفہ کے مصداق نہ بنو۔
اگر یہ خوف ہو کہ توبہ ٹوٹ جائیگی اور گناہوں سے باز نہ رہ سکیں گے تو ہمت نہ ہارو۔کیونکہ پھر توبہ کر لینا۔دیکھو! اگر ایک کپڑا پھٹ جاتا ہے تو اس کو بالکل پھٹا ہوا نہیں چھوڑتے کہ سینے کے بعد پھر پھٹ جائیگا بلکہ سی کر پھر کام میں لاتے ہیں۔پس یہی حالت توبہ کی ہے کہ محض اس کے ٹوٹنے کے احتمال سے اس کو ترک نہ کرنا چاہیے۔بلکہ اس وقت پھر توبہ کر لینا چاہیے باب توبہ بند نہیں ہوا۔بلکہ اگر دن میں سو دفعہ بھی توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کر لو۔مایوس نہ ہو جاؤ خوب کہا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبرو بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بلکہ اسی ترک توبہ ہی کی وجہ سے ہم کو معاصی پر زیادہ اجرت ہوگئی ہے کیونکہ جو شخص توبہ کرتا رہے گا۔ اس کے دل میں عظمت خداوندی کسی نہ کسی درجہ میں ضرور باقی رہے گی۔ یہ بڑا سبب ہے معاصی سے رک جانے کا برخلاف اس شخص کے جو کبھی توبہ نہ کرے گا۔ وہ خدا کو بالکل بھول جائے گا اور جب اس کی عظمت پیش نظر نہ ہوگی تو کچھ بھی اس سے ہوجائے بعید نہیں۔ (جلد 10 دعظ احکام العشر الاخیرہ ص 315)

عافیت کا سوال

صاحبو! حق تعالیٰ سے عافیت اور امن مانگنا چاہیے اور یہی گمان بھی رکھنا چاہیے ہاں اگر اس کے بعد بھی بحکمت الٰہیہ ابتلا ہوجائے تو صبر کرنا چاہیے بعض لوگ بہت بے صبر ہوتے ہیں اور مصیبت میں ایسے کلمات بول اٹھتے ہیں کہ ایمان تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ہاں جو اللہ والے ہیں وہ ایسے مواقع میں بھی مستقل رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ نے دیکھا ہے کہ لوگ بھاگے جارہے ہیں کسی سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں کہا کہ طاعون سے بھاگ رہے ہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں یا طاعون خذنی الیک یعنی اے طاعون تو مجھ کو لے لے۔ ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ زبان حال سے یوں کہتے ہیں ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کا ایسا کبھی نصیب نہ ہو کہ میری تلوار سے ہلاک ہوجائے دوستوں کا سر میری خنجر آزمائی کیلئے سلامت ہے۔ (جلد 10 دعظ التہذیب ص 406)

کلابی تقویٰ

بہت تو اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے گھر رمضان آتا ہی نہیں نہ دن کو نہ رات کو۔ یعنی نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں اور بعض کے یہاں دن کو تو آتا

ہے لیکن رات کو نہیں آتا۔ یعنی نماز وتر واتیح نہیں پڑھتے اور دن کو بھی جو آتا ہے تو بعض کے آثار کے اعتبار سے آتا ہے یعنی کھانا پینا تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جس شے کا چھوڑنا بڑا ضروری تھا۔ یعنی معاصی ان کو نہیں چھوڑتے۔

صَاحِبُو! غضب کی بات ہے کہ جو شے یعنی کھانا پینا کہ فی نفسہ مباح ہے دن کو بھی اور رات کو بھی اور رمضان میں رات کو اور معذور کے لئے دن کو بھی جائز ہے جب کہ شارع نے اس کو ماہ مبارک میں چھڑا دیا تو معاصی جو کہ کسی وقت اور کسی حالت میں کسی عذر سے جائز ہی نہیں وہ کیسے ترک کے قابل نہ ہوں گے اور ان کے ترک کا اہتمام کیوں نہ زیادہ کیا جائے گا۔ افسوس تو یہ ہے کہ کھانا پینا تو چھوڑ دیا لیکن گناہ نہ چھوڑے۔ ہمارے اس تقویٰ کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے بدکاری کی اور حمل رہ گیا۔ کسی نے کہا کہ کم بخت تو نے عزل نہ کرلیا۔ کہنے لگا کہ میں نے علماء سنا تھا کہ مکروہ ہے۔ تو زنا جو کہ حرام قطعی ہے اس کے ارتکاب میں تو باک نہیں کیا اور عزل میں آپ کو تقویٰ پر عمل ہوا۔

ایسا ہی ہمارا تقویٰ ہے ایسے تقویٰ کو تقویٰ کلابی کہتے ہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کتا جب پیشاب کرتا ہے تو ٹانگ اٹھا کر کسی دیوار پر کر دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو مجھ کو چھینٹ لگ جائے لیکن اگر کہیں پلیدی پاتا ہے تو وہ کھالیتا ہے تو ٹانگ تو نجاست سے بچاتا ہے اور منہ کو نہیں بچاتا۔ (جلد 10 وعظ التہذیب ص 410)

جلد ⓫... گوشہ نشینی

صَاحِبُو! دین کا سمجھنا ان لیڈروں کا کام نہیں ہے بلکہ یہ انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے حجرہ میں بیٹھ کر چراغوں کا دھواں پھانکا ہے اور پانی کی جگہ تیل پی لیا ہے بعض طلبہ کو ایسا پیش آیا ہے کہ مذاق میں کسی نے ان کو پانی کی جگہ تیل دے دیا اور وہ مطالعہ میں ایسے مصروف تھے کہ ان کو اصلا اسکی خبر نہ ہوئی۔ ایک طالب علم کی حکایت

کتابوں میں لکھی ہے کہ ایک رات ان کے گھر میں تیل نہ تھا بڑے پریشان ہوئے اتفاق سے بادشاہ کا جلوس سامنے سے گزرا جس کے ساتھ مشعلیں تھیں یہ اس کے ساتھ ہو لئے اور کتاب ہاتھ میں لے کر مطالعہ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جلوس محل شاہی میں داخل ہوا یہ بھی ساتھ ساتھ چلے گئے بادشاہ کی نظر ان پر پڑ گئی تھی اس نے خدام کو کہہ دیا تھا کہ ان کو نہ روکا جائے یہاں تک کہ جلوس خاص خلوت گاہ میں پہنچا یہ بھی وہیں پہنچ گئے اور برابر مطالعہ میں مشغول رہے بادشاہ ان کو دیکھتا رہا مگر ان کو کچھ خبر نہ ہوئی جب مطالعہ سے فارغ ہوئے اور اپنے کو خاص خلوت گاہ شاہی میں دیکھا تو قرائن سے سمجھ گئے کہ میں شاہی محل کے اندر ہوں اب یہ ڈرنے لگے بادشاہ نے تسلی دی کہ ڈرو نہیں مجھے تم سے بہت محبت ہوگئی ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے کافی وظیفہ مقرر کردوں تاکہ تم فراغ قلب سے تحصیل علم میں مشغول رہو کہا حضور یہ تو جھگڑا ہے میں تنخواہ لینے وغیرہ کا پابند نہیں ہوسکتا کہ آزادی میں خلل پڑتا ہے واقعی

آنکس کہ تراشناخت جان راچہ کند فرزند وعیال و خانماں راچہ کند

ہاں اگر آپ مجھے راحت دینا چاہتے ہیں تو کسی بنئے سے کہہ دیجئے کہ مجھے تیل دیدیا کرے اور ماہوار آپ کو حساب دکھلا کر تیل کے دام آپ سے لے لیا کرے مجھ سے کچھ نہ مانگا کرے چنانچہ بادشاہ نے ان کے واسطے تیل کا انتظام کردیا۔ تو تحقیق احکام اور تدقیق ان علماء کا کام ہے لیڈروں کا کام نہیں غضب یہ کہ لیڈر علماء کا کلام بھی تو نقل نہیں کرتے بلکہ اپنا کلام بیان کرتے ہیں اور اپنے کلام سے علماء کے کلام کو رد کرتے ہیں حالانکہ وہ اس بات کی بھی لیاقت نہیں رکھتے کہ علماء کے کلام کو سمجھ بھی سکیں اس پر ان کا حوصلہ یہ ہے کہ علماء کو میدان میں نکلنے کی تاکید کرتے اور ان کو اپنی تقلید پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔ صاحبو! میرے نزدیک تو اس وقت میدان میں نکلنے کا وقت نہیں کیونکہ حدیث میں ہے اذا رایت شحا مطاعا ودنیا موثرۃ وھوی متبعا واعجاب کل ذی رای برایہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع عنک امر العامۃ اھ اور جب تم دیکھو کہ

زبان دراز لوگوں کی اطاعت کی جائے اور خواہشات کی پیروی کی جائے اور ہر شخص اپنی رائے پر ناز کرنے لگے تو اس زمانہ پر تم پر لازم ہے کہ اپنی فکر کرو اور دوسروں کی۔

اور میرے نزدیک آج کل یہ سب علامات موجود ہیں اس لئے آج کل گوشہ نشینی لازم ہے مگر میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا اگر کسی عالی ہمت کے نزدیک ابھی ان علامات کے ظہور کا وقت نہ ہو تو بسم اللہ وہ میدان میں نکلیں مگر اپاہجوں کو کیوں اپنے ساتھ کھینچتے ہیں آخر ایک کام یہ بھی تو ہے کہ خدا سے دعا کریں تو ان کو اس کام کے واسطے رہنے دیں ایک جماعت اس کے واسطے بھی تو ہونا چاہیے یہ تقسیم عمل اچھی ہے مگر افسوس آج کل دعا کو لوگ عمل ہی نہیں سمجھتے اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں یہ گفتگو درمیان میں اس بات پر آ گئی تھی کہ میں نے دوام عمل کے معنی کی تحقیق کر کے عرض کیا تھا کہ یہ علوم محض ترجمہ قرآن مجید پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتے جیسا آج کل بعض لوگ اسی قدر علم سے اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (جلد 11 دعظ المرابط ص 69)

بلا مشقت اصلاح

صَاحِبُو! اگر آپ اسی انتظار میں رہیں گے کہ بدون مشقت کے اعمال کی اصلاح ہو تو یہ شہوات نفسانیہ دل میں اپنی جڑیں ایسی مضبوط کر لیں گی کہ پھر واقعی اس کی اصلاح میں سخت مشقت کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس شہوات سے جس قدر مسامحت و مساہلت (اس میں جس قدر چشم پوشی اور سستی کی جائے گی) کی جاتی ہے اسی قدر ان کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ کسی بزرگ کی توجہ سے ہماری اصلاح ہو جائے یا وظیفہ سے یا تعویذ سے نفس مہذب ہو جائے حاصل یہ کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے۔ یاد رکھو یہ سخت غلطی ہے نفس تمہارا راہ مار رہا ہے اور یہ شیطان کی بڑی رہ زنی ہے نفس کی اصلاح بدون مجاہدہ کے نہیں ہو سکتی توجہ اور وظیفہ سے اصلاح شدہ نفس کی اصلاح بدون مجاہدہ کے نہیں ہو سکتی توجہ اور وظیفہ

سے اصلاح شدہ نفس کی نورانیت میں ترقی ہو جاتی ہے۔ آگے کو راہ مفتوح ہو جاتا ہے رذائل کی اصلاح تھوڑا ہی ہوتی ہے الا نادراً والنادر کالمعدوم اور اس سے بڑھ کر ایک نہایت دقیق اور نہایت عمیق شیطان کی رہ زنی یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ مشقت سے ترک معصیت میں کام لیتا خود معصیت کو ترک معصیت کا ذریعہ بناتا ہے یعنی جب کسی متقی کو بار بار نگاہ نیچی کرنے سے مشقت ہوتی ہے تو شیطان اس کو یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میاں ایک دفعہ اس کو خوب جی بھر کر دیکھ لو اس سے ہوس پوری ہو جائے گی پھر نہ دیکھنا تو یہ روز روز کا آرہ چلنا تو موقوف ہو جائے گا مگر واللہ اس جی بھر کے گناہ کرنے سے سو اس کی رگیں اور مضبوط ہو جائیں گی۔

پھر اس کا اس گناہ سے نکلنا بہت دشوار ہو جاوے گا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ شہوت کو نظر سے ترقی ہوتی ہے پھر جب جی بھر کے دیکھنے سے بھی آگ نہیں بجھتی تو شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ ایک دفعہ جی بھر کے اس سے منہ کالا کر لو پھر توبہ کر لینا۔

اس کے بعد پھر ہر روز یہی ہوتا رہتا ہے کہ آج توبہ کروں کل توبہ کروں ابھی جی نہیں بھرا اگر اب توبہ کروں گا تو پھر تقاضا ہو گا چنانچہ بعض تو اسی انتظار میں ختم ہو گئے اور توبہ نصیب نہ ہوئی اور بعض کو سالہا سال کے بعد عنایت حق نے سنبھالا تو توبہ کی توفیق ہوئی مگر ذخیرہ گناہوں کا کتنا جمع ہو گیا یہ تو عملی خرابی ہوئی اور اعتقادی خرابی یہ ہے کہ یہ شخص ترک معصیت کا مقدمہ خیال کر کے معصیت کو طاعت سمجھنے لگتا ہے پس یاد رکھو کہ ترک معصیت کے لئے بھی معصیت کا اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ ابتداء ہی سے اس معصیت کے تقاضے کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

درختے کہ اکنوں گرفت ست پائے	بہ نیروے شخصے بر آیدز جائے
وگر ہمچناں روز گارے ہلی	بگردونش از بیخ برنگسلی
سر چشمہ باید گرفتن بہ میل	چو پرشد نہ شاید گزشتن بہ پیل

"جو درخت ابھی لگایا گیا ہو اور جڑیں کمزور ہو رہی ہوں کسی بھی آدمی کے کھینچنے

سے اپنی جڑ سے اکھڑ جائے گا اگر کچھ زمانے تک چھوڑ دیا جائے تو گردوں سے بھی جڑ سے اکھڑ نہیں سکتا کسی چشمہ کی ابتداء کو سرمہ کی سلائی سے بھی بند کر سکتے ہو لیکن اگر وہ پانی سے پر ہو گیا تو ہاتھی کے گزرنے سے بھی فائدہ نہ ہوگا''

اور جو شخص ترک معصیت کے لئے اختیار معصیت کو ذریعہ بناتا ہے اس سے بھی یہی غلطی ہوئی کہ اس نے مشقت سے بچنا چاہا مگر

سخن شناس نہ دلبر خطا اینجاست

''دوست کی خطا یہی ہے کہ تو سخن سناش نہیں'' (جلد 11 وعظ المجاہدہ ص 109)

احترام رمضان

صاحبو! مسلمانوں کو تو شمسی حساب میں ایسا غلو نہ چاہیے کہ سال بھر بھی اسلامی مہینوں کی خبر نہ ہو یہ میں نے مانا کہ تجارتی ضرورتیں شمسی حساب پر مجبور کرتی ہیں تو میں اس سے منع نہیں کرتا آپ تجارتی کاغذات میں اسی سے حساب رکھئے مگر نجی معاملات میں کونسی مجبوری ہے دوستوں کو جو رات دن خطوط لکھے جاتے ہیں ان میں شمسی حساب کی کیا ضرورت ہے اس کو چھوڑ و اور اپنی نجی خط و کتاب میں قمری حساب کو استعمال کرو۔

غرض اس میں شک نہیں کہ رمضان میں تضاعف حسنات ہوتا ہے اور اس لیے تمام سال میں رمضان کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں جو لوگوں نے سمجھا ہے کہ اس کی وجہ سے طاعات کو دوسرے مہینوں پر ملتوی رکھتے ہیں کہ رمضان میں کریں گے۔ یاد رکھو کہ شارع کا یہ مطلب ہرگز نہیں ایک تو یہ غلطی تھی ایک دوسری غلطی پر اور متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ لوگوں نے رمضان کے فضائل میں سے بس یہی یاد کرلیا ہے کہ اس میں حسنات کا تضاعف ہوتا ہے اور یہ نہیں یاد رکھا کہ گناہ کا بھی تضاعف ہوتا ہے کیونکہ مبارک مکان و مبارک زمان میں جس طرح نیکی بڑھتی ہے گناہ بھی بڑھتا ہے جیسا کہ زنا کرنا ہر جگہ برا ہے مگر مسجد میں کرنا بہت برا ہے اسی طرح رمضان کا گناہ اور دنوں کے گناہ سے سخت ہوگا۔ (جلد 11 وعظ التحصیل ص 147)

رحمت خداوندی

صاحبو! رحمت خدا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں نے سلطنتیں چھوڑ دیں' پیسہ اور روپیہ کیا چیز ہے ایک خلق حسن کا حاصل ہونا بندگان خدا کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے بھی زیادہ قیمتی ہے ان کو ایک گھونسا کھانے کے بعد یہ عوض مل گیا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کو کھو دیتے اور اس سے بدلہ لے لیتے بلکہ وہ اس کے ممنون احسان ہوئے ہوں گے' دنیا کچھ کہا کرے ان کی نظر حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو اچھی لگے وہی ان کے نزدیک اچھا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تواضع ایک صفت حسن ہے اور نہایت ضروری کیونکہ مقابل کبر کا ہے اس کو جس طرح ممکن ہو حاصل کرنا چاہیے' مبتدی کے لیے اس کی تحصیل کا طریقہ یہی ہے کہ بہ تکلف وہ افعال کیے جاویں جو عرف کے خلاف ہوں' بازار سے سودا خود خرید لایا کرو' آج کل یہ بھی امیری کا جزو ہو گیا ہے کہ اپاہج بنے بیٹھے رہو اور تکلیف اٹھاؤ مگر خود سودا خریدنے بازار نہ جاؤ اور امیر تو امیر معمولی آدمی بھی اس کے عادی ہو گئے ہیں جس کے نتائج سے خود بھی نالاں ہیں اور زیر باری کے مارے مرے جاتے ہیں اور کہتے ہیں خرچ پورا نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے مال حرام لینا پڑتا ہے۔ صاحبو! یہ کیا خرافات ہے چھوڑ و ان تکبر کی رسموں کو یہ عادت خود شریعت کے بھی خلاف ہے' بازار میں جانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے خود قرآن شریف میں موجود ہے:

"مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ"

(اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار جایا کرتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بازار جانے پر اعتراض کرنا مسلمانوں کا کام نہیں کیونکہ اس کو حق تعالیٰ نے مقولہ کفار کا بتلایا ہے اور کفار کی سی عادتیں اختیار کرنا اور ان کی باتیں کہنا معمولی

بات نہیں کیونکہ آدمی کو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔

اسی کی بات پر تقلید کیا کرتا ہے اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہو چنانچہ ارشاد ہے المرء مع من احب تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے افعال کی تقلید کی جائے گی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔ اب آپ سوچ لیجئے کہ یہ معمولی بات ہے یا خطرناک ہے۔(جلد 11 دعظ ادج فتوح ص 325)

شیخ کامل کی رہبری

حیرت ہے کہ تعلیم الفاظ میں تو آٹھ آٹھ دس دس سال خرچ کر دیتے ہیں اور اصلاح نفس معالجہ روحانی کے واسطے ایک سال رہنا بھی دشوار اور مشکل معلوم ہوتا ہے حالانکہ علم الفاظ آلہ اور مقدمہ ہے اور اصلاح نفس مطلوب بذاتہ ومقصود ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات ومبادی سے اولیٰ وافضل ہوا کرتا ہے۔ قیاس کا تو مقتضی یہ تھا کہ اگر تعلیم رسمی میں ایک سال صرف ہوا ہے تو تعلیم مقصود میں چار سال تو خرچ ہوں گے لیکن یہاں اس کے عکس کی بھی نوبت نہیں آتی کہ آٹھ سال میں اگر تعلیم سے فارغ ہوں تو دو ہی سال اصلاح نفس ومجاہدہ وریاضت میں صرف کریں بلکہ بعض حضرات تو اصلاح نفس کے لفظوں کی برابر آٹھ روز مقرر کرتے ہیں کہ بس ایک ہفتہ میں مشیخت کی گٹھڑی ہاتھ آجائے گی اور بعض افراد ۴۰ دن متعین فرماتے ہیں کہ ایک چلہ میں تکمیل ہو جائے گی نہ معلوم یہ زچہ عورت ہیں کہ چالیس روز میں چلہ نہا کر پاک صاف بن جائیں گے تمام امراض سے صحت بھی ہو جائے گی اور بچہ بھی مل جائے گا وہ بچہ کیا ہے مجاہدہ وریاضت کا اثر اور نتیجہ یعنی نسبت مع اللہ افسوس اس گوہر نایاب کی کیسی بے قدری کی جارہی ہے۔

صاحبو! اس کے حاصل کرنے کے لیے کم از کم اتنی مدت تو تجویز کی ہوتی جس میں رضاعت وفطام وغیرہ کا طریقہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اتنی فرصت کہاں بس چالیس روز میں شیخ کامل ہونا چاہتے ہیں' بعض صاحب چھ ماہ اصلاح نفس کے لیے وقف کر دیتے

ہیں جو کہ اولی مدت حمل ہے یعنی چھ ماہ میں بچہ یعنی وہی نسبت مع اللہ ضرور ہو جانا چاہیے۔ کیا مطلب چھ ماہ میں پیری ومریدی کی سند مل جانی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا چھ ماہ میں حمل ٹھہر بھی گیا لیکن اگر وہ پیٹ کے اندر مر گیا تو اب بتلاؤ اسے کون جنا دے تم تو حمل ٹھہرنے کے بعد چھ ماہ میں چل دیئے اب وہ مردہ بچہ اندر سے کیونکر نکلے گا پس وہ تو اپنے سمیت تم کو ہلاک ہی کرے گا۔ (جلد 11 وعظ دستور سہارنپور ص 354)

طلب کی شان

صاحبو! ان تکلفات باردہ کو چھوڑو تم لوگ طالب علم ہو تو طلب کی شان کو نبھاؤ۔ طلب کے ساتھ توجہ دو چیزوں کی طرف نہیں ہوا کرتی۔ "لان النفس لاتتوجہ الی الشیئین فی آن واحد" ورنہ اسی لباس وباس میں پھنسے رہ جاؤ گے اور مقصود اصل سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس نئی وضع قطع میں کیا دھرا ہے کون سی سلطنت مل جاتی ہے سلف صالحین کی وضع اختیار کرو یہی کمال ہے یہی جمال ہے یہی عزت ہے یہی حرمت ہے گراں قیمت لباس پہننا شرعاً کمال ہے ہی نہیں دیکھئے تواریخ میں جہاں سلاطین کے حالات لکھے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں تو یہ کسی جگہ نہیں لکھتے کہ فلاں بادشاہ بہت خوش لباس تھا' بہت قیمتی کپڑا پہنا کرتا تھا بلکہ جو بادشاہ موٹے اور کم قیمت کپڑے استعمال کرتا تھا اس کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے اور خاص مداح میں سے شمار ہوتا ہے جہاں اس کے کارنامے وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں سادگی کا بھی احترام کیا جاتا ہے اور یہ اس کے اول نمبر کے محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

شنیدم کہ فرماندہی دادگر قبا داشتے ہر دو رو آستر

(ایک عادل بادشاہ کو میں نے سنا کہ اس کی قبا میں دونوں جانب استر تھا)

دیکھئے چونکہ اس کی قبا میں دونوں جانب استر تھا' اس لیے شیخ نے مدح کی اور اسی فرمانروا کی یہ مدح نہیں کی کہ دیباج پہنتا تھا یا اطلس پہنتا تھا علاوہ ازیں کہ راحت و

آرام بھی اسی سلف کے لباس میں ہے جہاں چاہا بیٹھ گئے' زمین پر بیٹھ گئے' تب بھی کچھ حرج نہیں' فرش پر بیٹھ گئے تب کچھ دقت نہیں' غرض ہر طرح سے آرام ہوتا ہے اور تکلف کے لباس میں ہر حالت میں تکلیف ہوتی ہے بعض لباس تو ایسے ہیں کہ ان کو پہن کر آدمی کرسی اور تخت کے سوا کسی چیز پر بیٹھ ہی نہیں سکتا اور اگر فرش اور زمین پر بیٹھتا بھی ہے تو بہت مصیبت سے پھر جن لوگوں کو لباس کی زینت کا اہتمام ہے ان کو ہر وقت اسی کا دھیان رہتا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی یہی خیال دامن گیر ہوتا ہے دامن سمیٹ سمیٹ کر نماز پڑھتے ہیں' مبادا کہیں خاک نہ لگ جائے' کہیں دھول وغیرہ میں نہ آلودہ ہو جائے' جماعت سے نماز پڑھیں گے تو سجدہ سے سب کے بعد اٹھیں گے تاکہ اچکن شریف کسی کے نوائے کثیف کے نیچے نہ آ جائے۔

نماز میں بھی یہی مشغلہ ہے جس سے ساری نماز لباس ہی ہو گئی حالانکہ چاہیے تھا اس کا عکس کہ لباس بھی نماز ہو جاتا اگر کوئی مقام صاف ستھرا ہو تو بیٹھ جائیں گے ورنہ کھڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ اس لباس کی سزا دی ہے۔ ایک صاحب کانپور میں میرے پاس آئے' کوٹ پتلون ڈاٹے ہوئے تھے جو شخص پتلون پہنے ہوئے ہو وہ کرسی وغیرہ پر تو بآسانی بیٹھ سکتا ہے زمین پر اس سے نہیں بیٹھا جاتا ہم غریب لوگ ملاں آدمی ہمارے پاس کرسی وغیرہ کہاں تھی ہم فرش پر بیٹھتے تھے وہ بیچارے بیٹھ بھی نہ سکتے تھے اور لحاظ وشرم کی وجہ سے کھڑے کھڑے گفتگو بھی نہ کر سکتے تھے' مجبور ہو کر بدن کو تول کر اور ہاتھ کی چھڑی پر سہارا دے کر بھد سے گر پڑے' مجھے دل میں بہت ہنسی آئی پھر اٹھنے میں ان کو اس سے بھی زیادہ مصیبت ہوئی' اگر اسی کا نام آزادی ہے تو ایسی آزادی ہماری قید پر ہزار مرتبہ قربان ہے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

ایک شخص نے کیا اچھی بات کہی کہ لباس تو خادم مملوک ہے مخدوم ومالک نہیں ہے جب اسی کی دھن میں رہے تو وہ خادم کہاں رہا' مخدوم بن گیا' قلب موضوع لازم آ گیا' یہ تو ظاہری خرابی ہے اور شرعی خرابی یہ ہے کہ اس لباس سے کبر پیدا ہوتا ہے اور جب کبھی

لباس سے کسی قسم کی ظاہری یا باطنی شرعی مفسدہ لازم آئے وہ نہی میں داخل اور حرمت کے حکم سے موصوف ہوجائے گا۔ (جلد 11 وعظ دستور سہارنپور ص 373)

علمی غفلت

صَاحِبُو! عملی غفلت سے علمی غفلت زیادہ اشد ہے کیونکہ جس کام کو انسان ضروری سمجھتا ہے اور عمل کرنے میں سستی کرتا ہے وہاں تو یہ امید ہوسکتی ہے کہ اگر کسی وقت اس کے ضروری ہونے پر توجہ ہوگئی تو فوراً عمل شروع کردے گا اور علمی غفلت میں یہ امید بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ جب اس کو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا تو ضرورت پر توجہ کیوں کر ہوگی بلکہ عجب نہیں کہ اگر کوئی شخص کبھی اس کام کی ضرورت بیان کرے تو سننے والوں کو اس سے وحشت ہو اور یوں کہیں کہ یہ تو بالکل نئی بات ہے' آج تک کسی نے بھی اس کو ضروری نہ کہا تھا' یہ بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی۔

پس علمی غفلت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ متنبہ کرنے سے بھی بعض دفعہ تنبہ نہیں ہوتا ہے اس لیے علمی غفلت کا دور کرنا عملی غفلت کی اصلاح سے مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات نماز کا بیان نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ ضروری فرض ہے اور اس سے غفلت بھی بہت کی جارہی ہے اور دوسرا مضمون بیان کے لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ نماز سے تو محض عملی غفلت ہے علمی غفلت نہیں ہر مسلمان نماز کی ضرورت کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے لیکن اس دوسری بات کو لوگ ضروری نہیں سمجھتے عمل تو کیا ہی کرتے اس لیے طبیب روحانی اس دوسری بات کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کے عقائد کی تو اصلاح ہوجائے اور وہ گو اس پر عمل نہ کریں تو اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ عملی غفلت سے صرف عمل میں نقصان آتا ہے اور علمی غفلت سے عقائد وخیالات میں اور ظاہر ہے کہ عقائد وخیالات کی اصلاح عملی اصلاح سے مقدم ہے۔

علمی غفلت کا تدارک بہت دیر سے ہوتا ہے اور اگر چندے اس کی ضرورت کو

بیان نہ کیا جائے تو پھر ذہن میں ڈالنے سے بھی اس پر توجہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے سننے ہی سے وحشت اور تعجب ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ اکثر سامعین نے اس حدیث کا ترجمہ سن کر یہ خیال کیا ہوگا کہ اس میں تو کوئی ضروری بات نہیں بلکہ محض ایک معمولی بات ہے کہ جو چیز مفید نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں ان میں سے بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہی تو بڑی خوبی ہے کہ وہ بڑے بڑے مہلک امراض کا علاج نہایت سہل اور معمولی باتوں میں کر دیتے ہیں جنہیں دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو کچھ علاج نہیں محض ایک معمولی بات ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے اس کا فائدہ عظیمہ جب معلوم ہوتا ہے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے اور بے ساختہ کہتا ہے:

جزاک اللہ چشمم باز کردی مرابا جانجاں ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھ کو محبوب حقیقی کا ہمراز کر دیا)....(جلد 11 وعظ ترک مالایعنی ص 386)

حُسنِ تدبیر

صَاحِبُو! خدا کے نام سے اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ مٹھائی اور کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو خدا کا نام کیا اس سے بھی کم ہو گیا ہرگز نہیں اس سے بھی ضرور ایک دن دل پر اثر ہوگا' کام میں لگا رہنا چاہیے' گھبرانا نہ چاہیے' کھٹائی کے نام سے منہ میں پانی بھر آنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بادشاہ نے شہزادہ کو روزہ رکھوایا تھا اور روزہ کشائی کی رسم کے لیے بڑے پیمانے پر دعوت کا انتظام کیا تھا' لڑکے نے ظہر تک تو صبر کیا لیکن عصر کے بعد اس سے نہ رہا گیا' مارے پیاس کے بے تاب ہو گیا اور مچلنا شروع کیا' بادشاہ نے اطباء کو بلایا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس کی پیاس کو تسکین ہو جائے اور روزہ بھی نہ جائے ورنہ سارا کیا کرایا

سامان برباد ہو جائے گا۔ سب اطباء اس کے علاج سے عاجز ہو گئے' ایک غیر مشہور طبیب کی سمجھ میں ایک نسخہ آیا اس نے عرض کیا کہ حضور میں اس کا علاج کروں گا۔ آپ چند لڑکوں کو بلائیے اور تھوڑے سے لیموں منگا دیجئے۔ چنانچہ فوراً انتظام کیا گیا' اس نے لڑکوں سے کہا کہ شہزادے کے سامنے لیموں کا ٹکڑا کھانا شروع کرو' بس لیموں کو کھاتے ہوئے دیکھ کر شہزادے کے منہ سے رطوبت کے دریا پیدا ہو گئے۔ طبیب نے کہا کہ اس رطوبت کو نگلنا شروع کرو۔ بس لعاب دہن کے نگلنے سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا' اس نے لعاب نگلنا شروع کیا۔ بس پیاس کو فوراً تسکین ہو گئی' بادشاہ اس تدبیر سے بہت خوش ہوا اور طبیب کو بہت کچھ انعام دیا' بس جب لیموں کے نام میں یہ خاصیت ہے تو خدا کے نام میں کیوں یہ خاصیت نہ ہو گی کہ اس سے دل بھر آئے۔

الغرض ریاء کا قصد نہ کرنا چاہیے لیکن اگر ایک دن میں ریاء زائل نہ ہو تو ذکر کو چھوڑنا بھی نہ چاہیے' کرتے رہنا چاہیے رفتہ رفتہ ریاء خود زائل ہو جائے گی۔ وہ خدا کا نام تم کو ان شاء اللہ خدا ہی تک پہنچا دے گا نہ ہونے سے ذکر کا ہونا بہر حال اچھا ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی شیخ صاحب یا مولانا صاحب مخلوق کی تعظیم و تکریم پر مغرور نہ ہوں۔ وہ یا تو مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر کسی کا قصد دھوکہ دینے کا بھی نہ ہو تو خدا کی ستاری ہے کہ اس نے ہمارے عیوب مخلوق سے چھپا دیئے ہیں اور محاسن ظاہر کر دیئے ہمارے اندر کبر ہے ریاء ہے حسد ہے حب جاہ ہے لیکن مخلوق کو خبر نہیں وہ ہم کو ان عیوب سے پاک سمجھتے ہیں۔ اس لیے تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں اگر لوگوں کو ہمارے عیوب باطنیہ کی خبر ہو جائے تو سب سے پہلے وہ ہماری گت بنائیں۔ (جلد 11 وعظ ترک مالا یعنی ص 404)

محبت کا تقاضا

صاحبو! اگر آپ کا محبوب کوئی آپ کی چیز لے لے تو وہ محبوب اگر آپ کا محبوب ہے تو آپ کچھ بھی چوں و چرا نہیں کریں گے بلکہ خوش ہوں گے اور اگر چوں و

چرا کرو تو معلوم ہوا کہ وہ محبوب آپ کو محبوب نہیں بلکہ وہ شے محبوب ہے بلکہ محبت کا مقتضی تو یہ تھا کہ آپ روویں بھی نہیں مگر اس پر یہ شبہ آپ کریں گے کہ انبیاء بھی تو مصیبت میں روئے ہیں جیسا کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا صاحبزادہ کے انتقال پر مذکور ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے رونے اور ان حضرات کے رونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہم تو محض اس شے کی یاد میں روتے ہیں۔

اور وہ حضرات دیکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت حق کو ہمارا رونا ہی مطلوب ہے کہ دلیل افتقار (عاجزی کی دلیل) ہے اس لیے روتے ہیں سو آپ کو بھی رونے کی اجازت ہے اس محبوب شے کا لے لینا خود دلیل ہے اس کی کہ محبوب حقیقی کو مصلحت کے لیے تمہارا رولانا بھی منظور ہے سو روؤ لیکن حدود کی رعایت رکھو کہ اس محبوب شے کو محبوب حقیقی سے مت بڑھاؤ کہ اس کا ہی وظیفہ کر لو بس رو رلا کر پھر محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول ہو جاؤ اگر بالکل نہ روئے تو بھی آپ نے اس مصیبت کے راز کو نہ سمجھا اور اگر ساری عمر روتے رہے اور اسی کو لے لیا تو مالک حقیقی آپ کا محبوب نہ ہوا۔ خدا کے سامنے روؤ اس کے دکھلانے کو روؤ تا کہ افتقار اور عجز تمہارا ظاہر ہو خدا سے دوسروں کے سامنے روؤ جو اس راز کو سمجھ گئے ہیں وہ روئے بھی ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

کیں تضرع رابرحق قدرہاست کان بہا کانجاست زاری راکجاست
گر تو خواہی کز بلا جاں و آخری جان خودر او تضرع آوری
اے خوشا چشمے کہ آن گریاں اوست اے خوشا آں دل کہ آن بریان اوست

(اس گریہ وزاری کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قدر ہے جو قیمت اس کی دربار خداوندی میں ہے وہ گریہ وزاری کہاں ہے۔ اگر بلا سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اپنی جان کو گریہ وزاری میں لاؤ وہ آنکھ بہت اچھی ہے جو محبوب کی جدائی میں رونے والی ہے اور وہ دل بہت اچھا ہے جو محبوب کی محبت میں بریاں ہے)

پس جو مصیبت میں اس کے رلانے سے روتے ہیں وہ بھی گریاں اوست میں

داخل ہیں رونا اور مصیبت دونوں بڑی نعمت ہیں کہ اس میں بندہ کا افتقار ظاہر ہوتا ہے پس جو نہ روئے اور ضبط کر کے پتھر سا بنا رہے اس نے مراد حق کو پورا نہ کیا۔ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیسی طبیعت ہے' فرمایا اچھی نہیں بیمار ہوں۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ تو بڑے عارف ہیں جزع فزع کرتے ہیں' فرمایا کہ دیوانے ہو گیا' میں اپنے خدا کے سامنے بہادر بنوں کہ وہ تو میرا ضعف ظاہر کریں اور میں قوت ظاہر کروں۔

ایک بزرگ رو رہے تھے کسی نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں' فرمایا کہ بھوک لگ رہی ہے اس شخص نے کہا حضرت آپ بھوک میں روتے ہیں' فرمایا کہ محبوب حقیقی جب ہمارے رونے ہی کو بھوک لگا دیں تو ہم کیوں نہ رو دیں مگر ایسا رونا نہیں جس رونے کی مشق عورتوں کو ہوتی ہے جب کہیں تعزیت وغیرہ میں جاتی ہیں تو ڈولی گاڑی میں اچھی خاصی ہوتی ہیں اور اس سے اترتے ہی ہو ہو کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

غرض رونا جو غم میں بے ساختہ جوش حزن ہو ممنوع نہیں بلکہ عین مراد حق ہے یہ بھی ہے کہ بطریق مذکور نفس کو تسلی دو' پس جب اس طرح مراد حق پوری ہو جائے تو اب اس رونے کے شغل کو چھوڑ دو اور اگر سوچ سوچ کر اس کو لے کر بیٹھ گئے تو یہ برا ہے اور حق تعالیٰ بزبان حقیقت اس کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اے شخص جس کے پاس ہم ہوں اس کو کون چیز غمگین کر سکتی ہے تو جو اسی کو لے بیٹھا ہے' معلوم ہوا کہ ہم تجھ کو محبوب نہیں۔

محبت کا مظاہرہ

صاحبو! غور تو کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے قلوب میں جیسے محبوب تھے اتنا محبوب کسی محب کی نظر میں نہ کوئی ہوا اور نہ ہو' آپ کی محبوبیت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کا آب دہن مبارک اور آب بینی صحابہ زمین پر نہ گرنے دیتے تھے فوراً اپنے منہ کو اور بدن کو مل لیتے تھے اور چاٹ لیتے تھے کوئی اس قصہ کو سن کر دل میں اپنے گھن نہ

کرے اس لیے کہ اول تو محبت وہ شے ہے کہ کسی مرد اور عورت کے ساتھ اگر تعلق ہوجاتا ہے تو یہ معاملہ اس کے ساتھ بھی لوگ کرتے ہیں اور حالانکہ یہ محبت محض نفسانی و شہوانی ہوتی ہے اور جہاں محبت حقیقی ہو وہاں اگر یہ امر ہو تو تعجب کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نفاست اور لطافت میں اس درجہ پر تھی کہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز بھی پاک تھا۔ایک صحابی نے غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا تھا ان کی اولاد میں کئی نسل تک خوشبو رہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک بجائے عطر کے استعمال کیا جاتا تھا' پس جب آپ کے فضلات میں نہ بو تھی نہ کدورت تو پھر طبعی گھن بھی نہیں ہوسکتی اور آپ کی محبوبیت کی یہ کیفیت تھی کہ عورتیں طبعاً اپنی اولاد کی محبت میں غرق ہوا کرتی ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو محبت کی یہ حالت تھی کہ ایک غزوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے کہ ایک عورت سرراہ اشتیاق میں کھڑی تھی کسی نے کہا کہ تیرے بیٹے اور بھائی شہید ہوگئے تو وہ پوچھتی ہے کہ یہ تو بتلادو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحیح سلامت ہیں۔لوگوں نے کہا کہ وہاں وہ تو ہیں' کہنے لگی کہ کچھ پرواہ نہیں' ان کی تو یہ حالت تھی۔

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

(یقیناً میرے باپ اور میری ماں اور میری آبرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کیلئے تم سے بچاوے)۔

پھر اس قدر آپ کی محبوبیت پر آپ قیاس کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔صحابہؓ پر یہ صدمہ ایسا ہوا کہ اس صدمہ کی نظیر روئے زمین پر نہ پہلے کبھی ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔(جلد 11 وعظ رفع الموانع ص 455)

جلد ⑫... مسلم کی داخلی قوت

صَاحِبُو! کامل مسلمان بن جاؤ۔ احکام شریعت کی پورے طور سے پابندی کرو۔ یہی نہیں کہ غیروں سے لڑنے لگو' بلکہ میں کہتا ہوں کہ خواہ لڑو مت' مگر اپنی حالت کو درست کرلو۔

صَاحِبُو! ہر شے کا ایک اثر ہوا کرتا ہے۔ اسلام کامل کا بھی ایک اثر ہے۔ واللہ جو کام خارجی قوت سے نہیں ہوتا' وہ داخلی قوت سے ہوجاتا ہے۔ اگر داخلی قوت پکی ہوجاوے تو خارجی قوت کی زیادہ ضرورت ہی نہ رہے۔ پہلے زمانہ میں لوگ ہمارے بزرگوں کو دیکھ کر'ان کے اعمال' ان کی طرز معاشرت کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ کوئی زور یا زبردستی سے مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ مگر اب ہمارے اعمال خراب' اخلاق خراب' معاشرت گندی' معاملات خراب۔ اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو ہماری کیا چیز دیکھ کر ہو؟۔ (جلد 12، وعظ الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص:34)

کید نفس

صَاحِبُو! اسلام ضعیف نہیں ہوا بلکہ ہم خود ضعیف ہوگئے ہیں مگر اپنے ضعف کو جو ہم اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اس میں نفس کا ایک کید خفی ہے' وہ یہ کہ اگر ضعف کو اپنی طرف منسوب کریں تو اس ضعف کا تدارک کرنا پڑتا ہے' اور اس کا تدارک یہ تھا کہ ہم اسلام میں پکے ہوتے' اور اس میں خود کو بہت سے کام کرنا پڑتے ہیں۔ اب ضعف اسلام کی طرف منسوب کردیا تاکہ کچھ نہ کرنا پڑے کہ بس جو کچھ ضعف ہے اسلام میں ہی ہے۔

ہم پر ضعف کا کوئی اثر نہیں' کوئی شکایت یا کوتاہی ہم میں ہے ہی نہیں' تاکہ اس کا تدارک کرنا پڑے' اسی لئے خدمت اسلام کو ایسے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں' جن کے عقائد تک صحیح نہیں اور اعمال کا تو کیا ذکر بھلا ایسے لوگ اسلام کی کیا خدمت کرسکتے

ہیں؟ اور ان کی خدمت سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

جب خود تمہارے ہی عقائد درست نہیں پھر دوسروں کو صحیح عقائد کی طرف کیوں بلاتے ہو؟ اور اگر اپنے غلط عقائد کی طرف بلاتے ہو تو ایسے غلط تو اس کے بھی ہیں۔ پھر وہ تمہارا کہنا کیوں مانے؟۔ اسی طرح بعض مبلغین کے اعمال کی یہ حالت ہے کہ نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حلال حرام کی پرواہ ہے نہ معاملات اچھے ہیں نہ معاشرت ٹھیک ہے ان کی حالت کو دیکھ کر کوئی ان کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔ پہلے تو دنیا دار مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ نماز پڑھتے' روزہ رکھتے' زکوٰۃ دیتے' حج ادا کرتے' حلال حرام کی جانچ کرتے تھے' احکام شرعیہ کے ذرا برابر خلاف نہ کرتے تھے۔ اب یہ حالت ہوگئی۔ بقول اکبر

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے — تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

(جلد 12، وعظ الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص: 37-36)

آداب تبلیغ

صاحبو! افسوس ہے کہ عرصہ سے ہم اتنی بڑی چیزوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ نہ اپنے اسلام کی تکمیل کی فکر ہے نہ دوسروں تک تبلیغ اسلام کی فکر ہے۔

لوگ چونکہ اس سے غافل ہیں اس لئے اس وقت اس کے متعلق بیان کیا گیا کیونکہ حلوا نہ تنہا بباید خورد۔ (حلوہ اکیلے نہیں کھانا چاہیے) پس اب اپنی بھی تکمیل کرو اور تبلیغ بھی کرو اور اس طرح کرو جیسے قرآن میں ہے نومسلموں اور کافروں کو نرمی سے سمجھاؤ' کسی سے لڑو بھڑو مت' مناظرہ مروجہ مت کرو کہ یہ آداب تبلیغ کے خلاف ہے اور اس سے نفع بھی نہیں ہوتا۔ تجربہ ہو چکا ہے۔

حتیٰ کہ اس کا غیر قوموں نے بھی تجربہ کرلیا ہے وہ بھی اب مناظروں سے کنارہ کش ہونے لگے بس اسلامی مضامین کان میں ڈالے جاؤ۔

بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو یہی طرز قرآن کا ہے۔ چنانچہ جابجا فرماتے

ہیں صرفنا الأیات صرفنا فی ھذا القران وامثالھا۔ یعنی بار بار مضامین کو دہراتے ہیں۔ اگر ہم لوگ اس طرز کو اختیار کریں یعنی وقتاً فوقتاً احکام پہنچاتے رہیں تو ان شاء اللہ بہت نفع ہو اور اگر نفع نہ بھی ہو ہمارا کیا بگڑا۔ ہم نے تو اپنا فرض اتار دیا' جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کر دیا۔ اب نفع ہو یا نہ ہو وہ جانیں اور ان کا کام۔

(جلد 12، وعظ الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص:75)

ترجمہ و تفسیر آیت

صاحبو! جس روز اسلام نہ رہے گا اس دن عالم فنا ہو جائے گا اور راز اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں سب باغی نہ ہوں بلکہ مطیع بھی ہوں تو بادشاہ ایک طرف سے اس شہر کو نہیں اڑایا کرتا بلکہ پہلے مطیعین کو وہاں سے الگ کرتا ہے پھر شہر کو اڑاتا ہے تو جب تک شہر میں مطیعین موجود ہیں اس وقت تک اطمینان رہتا ہے کہ یہ شہر ابھی نہیں اُڑایا جائے گا اور جس دن مطیعین کو وہاں سے الگ کر لیا جائے پھر بستی کی خیر نہیں کیونکہ اب اس میں سارے باغی ہی باغی ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس کی رعایت سے شہر کو باقی رکھا جائے۔

چنانچہ قرآن میں لوط علیہ السلام کے قصہ میں بھی اسی اصل کا ذکر ہے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ. اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۔ ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے باشندے بڑے ظالم وشریر ہیں قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ان میں لوط علیہ السلام بھی تو موجود ہیں' اس حالت میں بستی کو کیسے ہلاک کرو گے قالوا نحن اعلم بمن فیھا فرشتوں نے کہا کہ جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۔ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ [العنکبوت: 32،31] ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین متبعین کو بچا لیں گے۔ مگر ان کی عورت کو کیونکہ وہ بھی نافرمانوں میں تھی۔

(جلد 12، وعظ الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص:87)

عملی نمونہ

صاحبو! اب تو لوگوں کو کافر پر زیادہ اعتماد ہے خواہ کھا ہی جاوے اور مسلمان پر اعتماد نہیں یہ کیسی ڈوب مرنے کی بات ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرو مگر یہ نہیں کہ اپنی اصلاح کے انتظار میں دوسرے کو نصیحت نہ کرو بلکہ دوش بدوش دونوں کام کرو اگر ایک ہی طرف لگ جاؤ گے۔

تو ممکن ہے کہ دوسرے مرض کو قوت ہو جاوے اس کو ایک نظیر سے سمجھو مثلاً تعلیم کا بعض جگہ قاعدہ یہ ہے کہ معقولات کے ساتھ منقولات بھی پڑھتے ہیں یہ ٹھیک قاعدہ ہے اور بعض جگہ پہلے کل معقولات پڑھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر منقولات کی نوبت ہی نہیں آتی یا یہ شخص بد دماغ ہو جاتا ہے اور جو مقصود تھا اس سے رہ جاتا ہے مقصود تو ہے منقولات اور معقولات محض اس کا آلہ ہیں کہ اس سے منقولات کے سمجھنے میں ایک گونہ مدد ملتی ہے تو یہ کتنی حماقت ہے کہ معقولات میں ایسے پھنسے کہ منقولات کے سمجھنے کی نوبت ہی نہ آئی اور بعض جگہ پہلے منقولات اور پھر معقولات پڑھتے ہیں اس کی مضرت آج کل یہ ہے کہ فہم کی کمی سے بعض بعض مشکل جگہ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ لہٰذا تجربہ کار بزرگوں نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ دونوں کو دوش بدوش رکھتے ہیں۔ (جلد 12، وعظ الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص: 127)

اپنی اِصلاح کی فکر کریں

صاحبو! پہلے اپنی اصلاح کرو گو وہ بڑی کٹھن ہے مگر میں اس کو آسان کئے دیتا ہوں۔ دیکھئے اگر کوئی اندھا دہلی جانا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ لوگوں سے راستہ پوچھتا پھرے اور کوئی اس کو دہلی کا راستہ بتادے کہ فلاں راستہ پر جانا پھر فلاں مقام آوے گا اس سے داہنی طرف کو جانا مگر کوئی سوانکھا (آنکھوں والا)

اس کے ساتھ نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کہیں گڑھے میں گر کر مر جائے گا اور اگر جس سے راستہ پوچھا ہے وہ شفیق ہے تو وہ یہ کرے گا کہ کوئی سوانکھا جا رہا ہے اس کے ساتھ اندھے کو کر دے گا اب وہ بے کھٹکے پہنچ جائے گا تو دیکھئے اندھے کو خود تو پہنچنا بہت مشکل تھا مگر چونکہ سوانکھا ساتھ ہے اس لئے اب وصول آسان ہو گیا اسی طرح اصلاح باطنی کی حالت ہے بطور خود اصلاح بہت مشکل ہے مگر کسی واصل کا ہاتھ پکڑ لیا جاوے۔(جلد 12، وعظ الاتمام لنعمۃ الاسلام، ص: 131-130)

تعلیم اسلام کی خوبی

ایک مرتبہ ریل میں ہم باتیں علمی کر رہے تھے۔ وہاں ہندو بھی موجود تھے۔ جب اسٹیشن آ گیا اور ہم اترنے لگے تو ایک ہندو کہنے لگا کہ آپ تو سارا نور اپنے ساتھ لے چلے جب تک آپ ریل میں رہے ایک نور ہمارے ساتھ تھا۔ آخر کیا بات تھی؟

صَاحِبُو! کفار کو بھی اسلام کی باتوں میں نور کا احساس ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم جب کسی کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اس کو نہ روپیہ کا لالچ دیتے ہیں۔ نہ اپنی طرف کشش کرنے کے لئے جبر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کانپور میں ایک عیسائی میرے پاس آیا کہ مجھے مسلمان کر لو اور میرے واسطے دو سو روپیہ چندہ کرا دو تا کہ میں اس سے تجارت شروع کر کے معاش پیدا کر سکوں۔

میں نے کہا کہ تم دو سو روپیہ کہتے ہو میں ایک روپیہ بھی چندہ سے جمع نہ کروں گا اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے۔ اگر تم اسلام کو حق سمجھ کر اپنی نجات کے واسطے اختیار کرتے ہو تو ہمیں تم سے یہ کہنے کا حق ہے کہ تم اس دولت کا نشان بتلانے کے معاوضہ میں ہم کو کچھ دو نہ کہ الٹا تم ہم سے مانگتے ہو۔ ہم اس کا وعدہ ہرگز نہ کریں گے۔

چاہے اسلام لاؤ یا نہ لاؤ۔ چونکہ وہ سچے دل سے اسلام لانا چاہتا تھا اس لئے اس نے کہا کہ میں اپنا قول واپس لیتا ہوں اور میں آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں مانگتا میں تو

صرف مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور روزی کا خدا مالک ہے۔ جب اس نے کہا تب میں نے اسے مسلمان کیا (یہاں سے مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا جواب ہو گیا کہ اسلام مال کے لالچ سے پھیلایا گیا ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کے لئے اسلام میں ایک خاص حکم وارد ہے۔ ان لوگوں نے تالیف قلب کی حقیقت نہیں سمجھی۔

اسلام میں تالیف قلب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں سے یوں کہا جائے کہ تم اسلام قبول کرلو ہم تم کو اتنا روپیہ دیں گے یا زمین وجائیداد دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلے یا قبول کرنا چاہتا ہو اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کیا جاوے اور اگر وہ محض روپیہ کے لالچ سے اسلام لانا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہم روپیہ دینے کا وعدہ نہیں کرتے اور نہ اس وعدہ پر تم کو مسلمان کر سکتے ہیں۔ اگر تم اسلام کو حق سمجھتے ہو تو اسلام لاؤ اور جو ہمارا حال ہے اسی حال پر تم بھی رہو۔ محنت ومزدوری کرو اور کھاؤ۔ کماؤ۔ ۱۲ جامع۔) پھر اسلام کے بعد چونکہ وہ ہمارا بھائی ہو گیا اور بھائی کی اعانت وامداد انسانیت ومروت کا مقتضا ہے، تو پھر ہم نے اس کی خدمت بھی کی۔ مگر اسلام لاتے وقت صاف انکار کر دیا۔ (جلد 12، وعظ محاسن اسلام، ص: 78-277)

توحید کی خوبی

صَاحِبُو! اگر آپ کو کبھی کسی سے عشق ہوا ہو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عاشق بعض دفعہ محبوب کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستا ہے اور عشاق لعاب دہن محبوب کی مدح میں دفتر کے دفتر اشعار میں لکھ گئے ہیں تو کیا یہ لوگ بے حس ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ سب بے حس ہیں تو یوں سمجھئے کہ ساری دنیا بے حس ہے۔ کیونکہ محبت میں ہر شخص یہی کرتا ہے۔ کوئی عاشق اس سے بچا ہوا نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے محبوب کے بدن میں سے خون بہنے لگے تو عشاق اس جگہ منہ لگا کر خون کو چوستے ہیں تا کہ محبوب کو زخم کی تکلیف کا

احساس نہ ہو یا کم ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ محبوب کا خون چوسنا بھی کوئی گھن کی چیز نہیں۔ عاشق کو اس سے جو حظ ہوتا ہے۔ اس کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ پھر جب ادنیٰ محبوب کا لعاب دہن اور خون گھن کی چیز نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک اور پسینہ اور خون تو کیونکر گھن کی چیز ہو سکتا ہے؟ کیونکہ حضور کی حالت یہ تھی کہ قدرتی طور پر آپ کا تمام بدن خوشبودار تھا۔ آپ کے پسینہ میں اس قدر خوشبو تھی کہ عطر کی خوشبو اس کے سامنے بے حقیقت چیز تھی۔ آپ کا لعاب دہن نہایت خوشبودار اور شیریں تھا۔ یہی حال آپ کے خون کا تھا تو ایسی چیز سے کون شخص گھن کر سکتا ہے۔

مگر کفار کو ان امور کی کیا خبر، نہ ان کو عشق و محبت کی ہوا لگی ہے نہ حضور کے حالات سے اطلاع ہے ۱۲ جامع) بہرحال صحابہ آپ کے ایسے عاشق تھے کہ وضو کا پانی بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لینے کے لئے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے تو ایسی جماعت سے یہ کیا امید تھی کہ وہ آپ کے بالوں کو زمین میں دفن ہونے دیں گے کیونکہ یقیناً بال کا درجہ وضو کے پانی سے زیادہ تھا۔ اس کو محض جسم سے تلبس ہوا تھا اور یہ تو بدن کا جزو ہے۔ پس اگر آپ اپنے بالوں کو دفن کراتے تو یقیناً صحابہ زمین میں سے ان کو نکالنے کی کوشش کرتے۔ پھر اس میں ہر شخص یہ کوشش کرتا کہ میرے ہاتھ زیادہ بال آئیں تو ایک دوسرے پر گرتا اور عجب نہیں کہ قتال کی نوبت آ جاتی۔ اس لئے حضور نے اس نزاع و قتال سے صحابہ کو بچانے کے لئے اپنے بال خود ہی تقسیم کرا دیئے اور دفن نہ کرائے۔

بتلایئے اب اس میں کیا اشکال ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ آپ کا اپنے بال تقسیم کرانا اپنی تعظیم و عبادت کے لئے نہ تھا بلکہ صحابہ کی محبت پر نظر کرتے ہوئے ان کے نزاع و قتال کے رفع دفع کرنے کے لئے تھا۔ اگر معاذ اللہ حضور میں ذرا برابر بھی بڑائی و تکبر کا خیال ہوتا تو آپ عمدہ لباس پہنتے، عمدہ مکان بناتے، نفیس نفیس کھانے کھایا کرتے۔ آپ کے پاس خزانہ جمع ہوتا، مگر تاریخ شاہد ہے اور احادیث میں صحیح طریقہ سے ثابت

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس موٹا جھوٹا ہوتا تھا۔ آپ کے مکانات سب کچے تھے۔ آپ اپنے پاس کچھ بھی جمع نہ رکھتے تھے۔

یہ نہیں کہ آپ کے پاس مال آتا نہ تھا۔ نہیں بعضی جنگ میں اتنا مال آیا کہ اس کی شمار نہیں ہو سکتی تھی۔ بکریوں سے جنگل کے جنگل بھر گئے اور آپ نے سب بکریاں ایک اعرابی کو اس کے سوال پر عطا فرما دیں اور اونٹ اس قدر تھے کہ آپ نے کسی کو سو کسی کو دو سو عنایت فرمائے۔ جب بحرین کا جزیہ آیا تھا تو اتنا روپیہ تھا کہ مسجد کے اندر سونے کا ڈھیر لگ گیا مگر آپ نے تھوڑی دیر میں سب کا سب صحابہ کو تقسیم فرما دیا اور اپنے واسطے ایک درہم بھی نہ رکھا تو کیا بڑائی چاہنے والا یہ گوارا کر سکتا ہے کہ خود تو خالی ہاتھ رہے اور مخلوق کو مالا مال کر دے۔ (جلد 12، وعظ محاسن اسلام، ص: 83-282)

حضور قلب کی حقیقت

صَاحِبُو! کیا اپنی نماز کی حالت آپ درست نہیں کر سکتے؟ کیا آپ قادر نہیں خشوع و حضور قلب پر؟ اگر کوئی کہے کہ ہم تو قادر نہیں تو ہم کہیں گے تم حضور قلب کی حقیقت ہی نہیں جانتے۔ حضور قلب کی حقیقت یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت برابر یہ خیال رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں کیا صاحبو! یہ آپ سے نہیں ہو سکتا باقی خیالات اور وساوس کا بند کرنا حضور قلب نہیں ہے بلکہ یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ خیالات کو روکنا اختیار سے باہر ہے اگر حضور قلب کی یہ حقیقت ہوتی اس سے ایک عقیدہ کی خرابی ہوگی کہ یہ تو ہمارے اختیار سے باہر اور پھر ہم اس کے مکلف تو گویا ہم کو ایسی چیز کی تکلیف دی گئی کہ ہماری قدرت سے باہر ہے اور یہ سراسر خلاف ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے کہ کسی ایسی بات کا خدا نے حکم نہیں کیا جو قدرت سے خارج ہو، سو اگر حضور قلب کے ایسے معنے ہیں جو قدرت سے خارج ہے تو اس کا مامور بہ ہونا اس آیت کے معارض ہوگا پس حضور قلب کی حقیقت اتنی ہے کہ اس قدر

متوجہ رہو کہ میں کیا کر رہا ہوں، پھر اگر اس خیال کے ساتھ اور خیال بھی آویں تو آنے دو آپ کا کام یہ ہے کہ کشتی کی سیدھ باندھ لیجئے۔

باقی موجوں کا روکنا کشتی بان کا کام نہیں بلکہ اگر وہ اس کی کوشش بھی کرے تو کشتی کا ساحل پر پہنچنا تو درکنار سلامتی بھی دشوار ہے اس طرح خیالات ووساوس امواج ہیں یہ قیامت تک بند نہیں ہو سکتے۔ آتے ہیں آنے دیجئے امواج کشتی کی رفتار کو روکتی ہیں مگر کھڑا نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح خیالات ووساوس آتے ہیں آنے دیجئے یہ حضور قلب کے منافی نہیں۔ بس آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ آپ برابر یہ خیال رکھئے کہ نماز پڑھ رہا ہوں اب سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہوں۔ اب سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہوں غرض جو فعل کیجئے اپنے قصد اور اپنے ارادہ سے کیجئے اس طرح نہیں کہ گھڑی میں ایک دفعہ کوک (چابی) دے دی۔ اب وہ برابر چل رہی ہے، ہماری کوک تکبیر تحریمہ ہے ادھر تکبیر تحریمہ کہی اور بس بے فکر ہو گئے اب تمام حساب وکتاب اور تمام معاملات نماز ہی میں طے ہو رہے ہیں ان حرکات کی عادت اور مشق ہو گئی ہے اس لئے جب رکوع کا وقت آتا ہے خود بخود رکوع ہو جاتا ہے۔ جب سجدہ کا وقت آتا ہے تو خود بخود سجدہ ہو جاتا ہے اس میں ہمارے قصد کو دخل ہی نہیں ہوتا۔

حضور قلب کی ایک نہایت آسان مثال ہے وہ یہ ہے کہ کسی حافظ صاحب کو کوئی سورت کچی ہو اور تراویح میں سنانا ہو تو وہ کیا کریں گے یہ کریں گے کہ دن بھر دیکھنے کے بعد رات کو جس وقت وہ سورت آئے گی برابر سوچتا رہے گا کہ ان ان مقام پر قال فرعون آیا ہے اور ان ان مقام پر قال موسیٰ آیا ہے غرض برابر دھیان اپنے پڑھنے کی طرف رہے گا اور خیالات بھی آتے رہیں گے یہاں تک کہ اوّل سے آخر تک وہ سورت سنا دے گا۔ تو جیسی توجہ حافظ صاحب کو اس کچی سورت سنانے کے وقت ہوتی ہے پس یہی حضور قلب ہے۔ اگر حضور قلب قدرت سے خارج ہے تو حافظ صاحب کو کیونکر ہوا؟ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت سے خارج نہیں۔ اور یہ سخت غلطی ہے کہ قدرت سے خارج سمجھ

لیا ہے اور عوام تو کیا بہت سے اہل علم بھی ایسا ہی سمجھ رہے ہیں۔ ان حضرات کی ساری غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے درس میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں یہ حقائق مذکور ہوں۔ بس حکایتیں دیکھ لیں سن لیں کہ نماز میں تیر لگا اور خبر نہ ہوئی اور اسی کو حضور قلب سمجھ گئے حالانکہ یہ ایک طرح کی حالت ہے وہبی (اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ) اور حضور قلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا۔ (جلد 12، وعظ احسان الاسلام، ص:312-311)

آیت میں لفظ محیای ومماتی کا نکتہ

صاحبو! حقوق کا معاملہ ہے باوجود قدرت کے کوئی اپنا ایک پیسہ کا حق چھوڑنے پر بھی راضی نہیں ہوتا اس کو اس معیار سے دیکھ لیجئے کہ آپ خود تصرف نہ کیجئے دوسرے کو تصرف کرنے دیجئے پھر دیکھئے آپ کا دل اس کو گوارا کرتا ہے یا نہیں ہرگز گوارا نہیں کرے گا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ گو دوسرے وارث شرما شرمی سے کچھ نہ کہیں مگر دل سے اجازت کوئی نہیں دیتا ہے۔

تو یہ اجازت بطیب خاطر نہیں ہوتی پس ایک وارث کا قبضہ کل مال میں حرام ہوا خصوصاً اس صورت میں کہ بعض وارث نابالغ بھی ہوں کہ اس صورت میں تو اگر وہ زبان سے تصریحاً بھی اجازت دیں اور طیب خاطر بھی ہو تب بھی یہ اجازت معتبر نہیں کیونکہ نابالغ کا کوئی تبرع کا تصرف صحیح نہیں۔ یہ سب حقوق العباد ہیں ان میں بڑی احتیاط چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا ضروری کام انقیاد ہے ہم کو تمام احکام تشریعیہ وتکوینیہ اور موت وحیات کے احکام میں انقیاد چاہیے ذرا بھی کوتاہی نہ ہو اور جتنی کوتاہی ہوگی اتنا ہی اسلام ناقص ہوگا۔ (جلد 12، وعظ الاسلام الحقیقی، ص:488)

اَخلاق ذمیمہ کے دُنیوی نتائج

صاحبو! ذرا ہوش سے کام لو حسد اور کبر تو وہ چیزیں ہیں جو تمام برائیوں کی

جڑ ہے ان سے نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا شرعاً تو یہ گناہ ہیں ہی، دنیا کے نتائج بھی جوان سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ایسے ہیں جس سے ایک مخلوق کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے سب جانتے ہیں کہ انسان کی طبیعت میں تمدن ہے یعنی مل جل کر رہنا اور انسان دوسرے حیوانات کی طرح نہیں ہے جن کو مل جل کر رہنے کی ضرورت نہیں ان کے کھانے پینے کی چیز ہر جگہ موجود ہے صبح کو اٹھے اور جنگل میں چر کر پیٹ بھر لیا اور شام کو اپنے ٹھکانے میں آ کر آرام کرنے لگے انسان میں یہ بات کہاں اس کی تمام ضروریات ایک دوسرے کی اعانت سے مہیا ہوتی ہیں اسی کا نام تمدن ہے بدون اس کے انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی جب اس کو ضرورت ہے تمدن کی تو دوسرے سے بھی ملنے کی ضرورت ہے دو باتوں کے لئے ایک اپنا کام نکالنے کے لئے کیونکہ اس کا کام دوسرے پر موقوف ہے۔ دوسرے اس دوسرے شخص کو مدد دینے کے لئے کیونکہ وہ بھی اس کا محتاج ہے یہ حقیقت ہے تمدن کی اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے کا خیال بھی ہو اور یہ خیال حسد کی ضد ہے اور حسد اس کی ضد ہے کیونکہ حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت کی زوال کی تمنا کرنا اور تمدن میں ضرورت تھی کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانے اور اس کے حصول کے لئے نعمت کی کوشش کرنے کی تو ثابت ہو گیا کہ حسد ضد ہے تمدن کی۔

اسی طرح اس کا کام بھی جب ہی نکل سکتا ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنی احتیاج لے جائے اور یہ مقتضی ہے اس بات کو کہ اس کے سامنے بڑا بن کر نہ جایا جائے ورنہ وہ التفات کیوں کرے گا یہ حقیقت ہے تواضع کی جو ضد ہے کبر کی اور کبر اس کی ضد ہے تو ثابت ہوا کہ کبر اس کی ضد ہے۔ لیجئے عقلاً ثابت ہو گیا کہ حسد اور کبر تمدن کے منافی ہیں سو یہ ان میں عقلی خرابیاں ہیں قطع نظر اس سے کہ یہ شرعی گناہ بھی ہیں۔ شریعت مطہرہ کی خوبی دیکھئے کہ ہر کام میں وہ بات سکھلائی جو تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور ان باتوں سے منع کیا ہے جو برائیوں کی جڑ ہیں۔

(جلد 12، وعظ الاسلام الحقیقی، ص:492)

جلد ⑬...آدابِ دعوت

صَاحِبُو! امر بالمعروف بھی ایک فرض ہے جیسے اور فرائض ہیں اور کوئی ایسی حالت نہیں جس میں فرائض ساقط ہوسکیں۔ بجز جنون واکراہ وغلبہ عقل اور خاص خاص اعذار کے باقی کسی حال میں فرائض ساقط نہیں ہوتے اور مغلوب العقل بھی وہی معتبر ہے جس کو شریعت مغلوب العقل تسلیم کرے، تمہاری من گھڑت تفسیر کا اعتبار نہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک قصبہ میں ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق مغلظہ دی تھی۔ عدت بھی گزر چکی تھی اس کے بعد ایک مفتی آئے۔

انہوں نے اس کو سمجھایا اور کہا کہ طلاق واقعہ ہونے کے لئے عقل شرط ہے اور تم تو اس وقت مغلوب العقل تھے۔ بس اس تاویل سے حرام عورت حلال کرلی اور ان کے نزدیک حلال بھی ہوگئی تو اس طرح تو جس کا جی چاہے دعویٰ کردے۔ مغلوب العقل ہونے کا پھر تو سارا جہان مغلوب العقل ہوجائے گا۔

مثلاً امر بالمعروف کرنے میں اصل تو تعلقات شگفتہ نہ رہنے کا خوف تھا مگر تاویل کرلی کہ میں بغض فی اللہ کے سبب ہوش باختہ ہوگیا تھا۔ اس لئے امر بالمعروف نہ کرسکا یا طمع تھی کسی چیز کے ملنے کی مگر وہاں بھی وہی تاویلیں گھڑلی۔

صَاحِبُو! اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان تاویلات کا جو تمہاری تراشی ہوئی ہیں۔ کچھ اعتبار نہیں۔ تمہارے فتویٰ سے امر بالمعروف ساقط نہیں ہوسکتا۔ یہ نہیں کہ جو تمہارا دل چاہے وہی ہوجائے تمہاری رائے معتبر نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ:

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خودرا عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

(کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ، چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں ہوسکتا)

(جلد 13 وعظ آداب التبلیغ ص 70)

دین اہل علم ہی سے سیکھنا چاہیے

صَاحِبُو! ایسا سامان آپ کو اور کہیں میسر نہیں آوے گا اور وقت بھی نہیں ملے گا۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مقدمات ہی کے اندر سارے اوقات کو ضائع کر دو۔ بلکہ ہر چیز کو اپنے درجے میں رکھ کر حاصل کرو۔

اصل مقصود تو دین ہے۔ مگر اس کے حاصل کرنے کے طریقے ہیں۔ قرآن کا صحیح کرنا بھی دین ہے۔ حدیث تفسیر پڑھنا بھی دین ہے۔ اسی طرح فقہ بھی دین ہے۔ سب پر نظر رکھنا چاہیے۔ مگر ترتیب سے کرنا چاہیے۔ اور ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کس کو کتنی مقدار میں حاصل کرنا چاہیے اور یہ اساتذہ کی رائے پر ہے وہ جس کی استعداد جیسی دیکھیں گے، اس کی صلاحیت کو سمجھ کر خود رائے دیں گے، پھر وہ جو رائے دیں، ویسے ہی کرو۔ (جلد 13 آداب التبلیغ ص 106)

عبرتناک واقعہ

صَاحِبُو! خوب یاد رکھئے کہ ہر ناقص کو کامل سے رجوع کرنے کی احتیاج ہے اور ہر غیر ماہر کو ماہر کی احتیاج ہے۔ اگر ہم مولوی لوگ محکمہ زراعت میں دخل دینے لگیں۔ تو واقعی ہم سارے محکمہ کا ناس کر دیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی جج اور مجسٹریٹ چند روز کسی عالم کے پاس رہ کر دیکھے۔ تو اس کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ دین میں بالکل جاہل ہے۔ اس کو مسائل واحکام میں دخل دینے کا حق نہیں۔ یہ کام علماء ہی کا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ میں نے ایک کتاب قانون کی اردو میں دیکھ کر ایک وکیل کے روبرو اس کی ایک دفعہ کی تقریر کی۔ تو وکیل نے میری تقریر سن کر کہا۔ کہ یہ غلط ہے۔ پھر اس نے خود تقریر کی۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ واقعی میں نے غلطی کی تھی۔ تو جب قانون کی کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو جانا ہم کو وکلاء سے مستغنی نہیں کرتا

اوراس کے سمجھنے میں ہم غلطی کرتے ہیں۔ تو قرآن کا ترجمہ ہو جانے سے علماء سے آپ کیوں کر مستغنی ہو سکتے ہیں اور آپ کو کیا اطمینان ہے۔ کہ آپ غلطی نہ کریں گے۔ اردو میں ترجمہ ہو جانے سے زبان کی دقت تو نہ رہی۔ مگر معانی تو آسان نہیں ہوئے۔

(جلد 13 وعظ التواصی بالحق ص 132)

صَاحِبُو! میں آپ کو ایک عبرت ناک کثیر الوقوع واقعہ سناتا ہوں کہ ایک چودہ برس کی ناقص العقل لڑکی جس نے ماں باپ کی گودوں میں پرورش پائی اوران کے گھر کو اپنا گھر، ان کے دوست کو اپنا دوست، ان کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ دولفظوں سے یعنی نکحت اور قبلت سے اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ جہاں اس کے منہ پر سے ہاتھ اترا اب شوہر کا گھر اس کا گھر ہے۔ اس کا دوست اس کا دوست ہے۔ اس کا دشمن اس کا دشمن ہے۔ گو شوہر کا دوست اس کے باپ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اور شوہر کا دشمن اس کے باپ کا دوست ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اگر کسی وقت اس کا باپ بھی اس کے شوہر کا دشمن ہو جائے۔ تو عموماً عورتیں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہیں۔

افسوس اس لڑکی نے تو عقد کے ایجاب وقبول کو اس پختگی سے نبھایا اور ایسی مردانگی دکھائی اور ہم لوگ باوجود مرد ہونے کے خدا تعالیٰ سے معاملہ منعقد کر کے اس کو نہیں نبھاتے۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر خدا تعالیٰ کے دوست کو اپنا دوست اور خدا کے دشمن کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ غضب ہے کہ ناقص العقل لڑکی تو ایک انسان سے تعلق جوڑ کر صرف اسی کی ہو جاتی ہے اور ہم خدا سے علاقہ جوڑ کر صرف اس کے نہیں ہوتے۔ (جلد 13 وعظ التواصی بالحق ص 157)

اتباع علماء

صَاحِبُو! اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو علماء کا اتباع کرو۔ ان کو متبوع بناؤ۔ تابع نہ بناؤ۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔ کہ ان میں انتخاب کرلو۔ جو نا قابل ہو ان کی اتباع نہ کرو

اور جو قابل ہوں ان کو مقتداء بناؤ۔ کیوں کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہو جاتا بلکہ علم دوسری چیز کا نام ہے۔ جیسے طب کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا۔ بلکہ جس کو طریقہ علاج حاصل ہو جائے۔ وہی طبیب ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کو حدیث وقرآن اور فقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی محض الفاظ یاد ہو جاتے ہیں۔ حقیقت علم حاصل ہونے کے لئے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ جس کو اس زمانہ کا ایک شاعر خوب کہہ گیا ہے:

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا — دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے اور اس سے آج کل اکثر علماء کورے ہیں۔ الا ماشاء اللہ اس طرف توجہ ہی نہیں۔ اسی واسطے حقیقی علم والے بہت تھوڑے ہیں۔

(جلد 13 وعظ التواصی بالحق ص 168)

توفیق خداوندی

ایک بزرگ کا قصہ ہے۔ کہ انہوں نے ایک دفعہ کلمہ توحید زبان سے نکالنا چاہا۔ مگر زبان نہ چلی اور سب باتوں میں زبان چلتی تھی۔ مگر کلمہ زبان سے نہ نکلتا تھا۔ یہ عارف تھے۔ گھبرا گئے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ الہام ہوا کہ فلاں دن جس کو اتنے سال ہوئے۔ تم نے ایک بے جا کلمہ زبان سے نکالا تھا اور اب تک اس سے توبہ نہیں کی۔ آج اس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ کہ کلمہ حق کی توفیق سلب ہوگئی۔ اس گناہ سے توبہ کرو تو عذاب ٹلے۔ چنانچہ انہوں نے توبہ کی۔ توبہ قبول ہوئی اور یہ وبال رفع ہوا۔ حضرت! اس کو معمولی بات نہ سمجھئے۔ کہ آپ کو ذکر کی توفیق ہوگئی۔ واللہ یہ بڑی دولت ہے۔ ورنہ ہزاروں لاکھوں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ جن کی زبان کو خدا نے توفیق ذکر سے بند کر دیا ہے۔ جیسے ایک حکایت ہے کہ غلام اور آقا بازار کو گئے۔ راستہ میں مسجد آگئی۔ غلام نمازی تھا۔ آقا بے نمازی۔ غلام نے نماز پڑھنے کے لئے آقا سے

اجازت چاہی۔ اس نے اس کو اجازت دے دی اور خود مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گیا۔ جب نماز ختم ہو گئی اور نمازی مسجد سے نکلنے لگے تو آقا صاحب کو انتظار ہوا کہ اب غلام بھی آتا ہوگا۔ مگر وہ نہ آیا اور بہت دیر لگا دی۔ اس پر آقا نے جھلا کر پکارا۔ کہ میاں کہاں رہ گئے۔ آتے کیوں نہیں۔ غلام نے جواب دیا۔ کہ آنے نہیں دیتے۔ کہا کون نہیں آنے دیتا۔ کہا جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا، وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔ صاحبو! یہ توفیق اور عدم توفیق ہی تو ہے۔ کہ غلام مسجد کے اندر نواب بنا بیٹھا ہے اور آقا صاحب باہر سیڑھیوں پر منتظر نوکر بنے بیٹھے ہیں۔ (جلد 13 وعظ التواصی بالصبر ص 210)

تواضع

اے عزیز! تمہاری اصلاح کی کیا اُمید ہو۔ جب کہ تمہارے طبیب ہی مریض ہیں۔ صاحبو! بیعت ہونے کے بعد جن چیزوں پر روک ٹوک زیادہ ضروری ہے۔ وہ اس قسم کی ہیں۔ کبر و عجب اضاعت حقوق العباد، حسد و بغض، فساد ذات البین وغیرہ۔ مگر آج کل ان امور پر مطلق روک ٹوک نہیں۔ حالانکہ پہلے زمانہ میں مشائخ کو اول اسی کا زیادہ اہتمام تھا۔ وظائف تو سال ہا سال کے بعد تعلیم کرتے تھے۔

اور یہی نہیں کہ محض زبان سے ان امور پر روک ٹوک کریں۔ بلکہ تدبیروں سے ان امراض کو قلب سے نکال لیتے تھے۔ مثلاً کسی کو زینت پرستی میں مبتلا دیکھا۔ تو اسے سڑکوں پر خانقاہ میں چھڑکاؤ کرنا۔ جھاڑو دینا بتلا دیا اور جس میں تکبر دیکھا۔ اس کو نمازیوں کے جوتے سیدھا کرنا تعلیم کر دیا۔ جن میں ایک جولاہے کے بھی جوتے تھے۔ جو اس متکبر کی رعیت کا جولاہا ہے۔ اس کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے بس جگر ہی تو کٹ گیا اور دل پر آرہ ہی تو چل پڑا۔ مگر یہ حالت ایک دو دفعہ میں ہوتی ہے۔ پھر افعال تواضع ہیں۔ خاصیت ہے کہ ان سے قلب میں بھی تواضع پیدا ہو جاتی ہے۔ کرتے کرتے ہر قسم کی عادت ہو جاتی ہے۔ (جلد 13 وعظ التواصی بالصبر ص 213)

ہماری حالت زار

صَاحِبُو! کافر تو کسی طرح مسلمان سے اچھا ہو ہی نہیں سکتا۔ حتی کہ ظالم مسلمان رحم دل کافر سے بھی بدرجہا یقیناً بہتر ہے اور رحم دل کافر کو ظالم مسلمان سے بہتر وہی کہے گا۔ جسے دنیا کا بھی قانون معلوم نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ فرض کرو۔ ایک شخص اعلیٰ درجہ کا ڈگری یافتہ ہے اور نہایت مہذب ہے۔ مگر ہے حکومت کا باغی اور ایک جاہل جرائم پیشہ اور چور ہے۔ کہ سزا بھی پاتا ہے اور پکڑا بھی جاتا ہے۔ مگر حکومت کا باغی نہیں۔ بلکہ مطیع و فرمانبردار ہے۔ میں اہل تمدن سے پوچھتا ہوں کہ بتلائیں قانون کے اعتبار سے اور گورنمنٹ کی نظر میں کون شخص بڑھا ہوا ہے اور کون گھٹا ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ جاہل ہے گو اس میں سارے عیب ہیں۔ مگر ایک وصف فرمانبرداری اس میں ایسا ہے۔ کہ تھوڑے دنوں میں وہ سزا کے بعد پھر ویسا کا ویسا ہی مقبول و مقرب ہو جاوے گا۔ جیسا کہ جرم سے پہلے تھا اور یہ تعلیم یافتہ جس میں ہزاروں خوبیاں ہیں۔ بغاوت کی وجہ سے ہیچ در ہیچ ہے۔ کیونکہ یہ ایسا عیب ہے کہ سب خوبیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اسی لئے یہ ہمیشہ مبغوض اور معتوب رہے گا۔ پس یہی فرق ظالم مسلمان اور رحم دل کافر میں خدا کے نزدیک ہے۔ تو اب اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر ایسا کہے۔ کہ ظالم مسلمان سے رحم دل کافر اچھا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو حق نہیں سمجھتا۔

حیرت کی بات ہے کہ اسلام کو حق سمجھنے کے بعد یہ شبہ کرے کہ مسلمان سے کافر افضل ہو سکتا ہے۔ بہر حال جب یہ مسلمان خدا کے نزدیک افضل ہے۔ تو اس کافر کی یہ غلطی تھی۔ جو اس نے اپنے کفر کو اس کے اسلام پر ترجیح دی۔ مگر میں یہ کہتا ہوں۔ کہ ہماری حالت ایسی کیوں ہے۔ کہ دوسرا شخص ہمارے متعلق زبان پر یہ حرف لا سکے۔ غرض ہماری حالت ایسی گری ہوئی ہے۔ کہ کفار بھی ہم پر طعن کرتے ہیں۔

(جلد 13 وعظ ضرورت تبلیغ ص 263)

الفاظ کی تاثیر

صاحبو! الفاظ میں بڑا اثر ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ مولوی غوث علی صاحب پانی پتی سے کسی نے شیخ اکبرو فرید عطار اور مولانا رومی کے متعلق دریافت کیا۔ کہ وحدت الوجود میں گفتگو کرنے والے یہی تین حضرات بڑے ہیں۔ ان میں کیا فرق ہے۔ فرمایا، تینوں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ فرق اتنا ہے۔ کہ تین مسافر کسی گاؤں میں ایک کنویں پر پہنچے۔ ایک عورت پانی بھر رہی تھی۔ اس سے پانی مانگا۔

مگر ایک نے تو یوں کہا کہ اماں! مجھے پانی پلا دے۔ یہ تو مولانا رومی ہیں۔ دوسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا کی جورو مجھے پانی دے دے۔ یہ شیخ اکبر ہیں۔ تیسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا سے یوں توں کرانے والی مجھے پانی دے دے۔ یہ شیخ فرید ہیں۔ اب غور کر لیجئے۔ کہ ان الفاظ کے اثر میں یہ فرق ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ماں کو اماں کہے تو وہ خوش ہوگی۔ اور اگر باوا کی جورو یا باوا سے یوں توں کرانے والی کہے۔ تو اس کا منہ نوچنے کو تیار ہو جائے گی۔ حالانکہ معنی سب کے متحد ہیں۔

مجھ پر خود ایک حالت گزری ہے۔ جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے۔ ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ بھیجا۔

انہوں نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا کہ اس شخص میں تو حرارت غریزیہ نام کو بھی باقی نہیں۔ یہ زندہ کیسے ہے۔ قارورہ لے جانے والے نے یہ عقل مندی کی کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آکر بیان کر دیا۔ جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا۔

میں نے ان کو دھمکایا کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی۔ تم نے بڑی حماقت کی۔ جاؤ اس کا تدارک کرو۔ انہوں نے تدارک پوچھا۔ میں نے کہا کہ مکان کے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آکر مجھ سے یوں کہو۔ کہ میں پھر حکیم صاحب کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مکرر دیکھ کر یہ کہا۔ کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی۔ حالت اچھی

ہے۔ کچھ خطرے کی بات نہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں آپ کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا۔ تو اس کا کیا اثر ہوگا۔

میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو۔ جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی۔ بلکہ ایک گونہ قوت بدن میں پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفا عطا فرما دی۔ تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے۔ گو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اطباء سے پوچھو۔ کہ خفقان میں کہرباء کی تعلیق کیوں مفید ہے؟ وہ اس کی وجہ بجز تجربہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔ اسی طرح اہل طریق کو کلمات و الفاظ کے اثر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر ان کے تجربہ کو اہل ظاہر نہیں جانتے۔ (جلد 13 وعظ اتباع علماء ص 291)

اہل علم کا کام

صاحبو! علماء سے تعویذ کی درخواست کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے سنار سے یہ کہنا کہ گھاس کھودنے کا کھرپا بنا دو۔ سنار کا کام تو یہ ہے۔ کہ وہ عمدہ نازک زیور بنائے۔

اسی طرح علماء کا کام مسئلے بتانا ہے۔ افسوس! گوشہ نشینوں سے دنیا کے کام کراتے ہو۔ کیا انہوں نے تمہارے دنیا کے کام کرنے کے لئے دنیا کو چھوڑا ہے۔ ہاں دنیا کے کاموں کے لئے دعا کرانا جائز ہے۔ شکایت تو تعویذ کی ہے۔

ہاں اگر دس باتیں دین کی پوچھیں، تو اس میں ایک دنیا کی بھی پوچھ لی تو کچھ حرج نہیں۔ اب غضب تو یہ کرتے ہیں کہ دو ماہ میں تو تشریف لائے اور کہا کیا کہ ایک تعویذ دے دو۔ فلاں کو بخار آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ ریاضت کرتے ہیں۔ اس سے قوت متخیلہ بہت بڑھ جاتی ہے۔ بس جسے تعویذ دیدیں گے وہ جھٹ پٹ اچھا ہو جاوے گا۔ (جلد 13 وعظ التھشیر ص 314)

حدود کی تعلیم

صَاحِبُو! اعمال کی بے قدری بری بلا ہے۔اعمال فی نفسہ۔سب محمود ومقبول ہیں۔ہاں ہماری حیثیت سے وہ کچھ بھی نہیں۔مگر نعمت الٰہی ہونے کے اعتبار سے بڑی چیز ہیں۔پھر اس بے قدری کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جو شخص جب اپنے اعمال کو مغفرت کے لئے نا کافی سمجھتا ہے۔تو سب کام چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔یہی تعطل ہے۔

اسی طرح شوق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود بیان فرمائی ہیں۔

اللھم انی اسئلك شوقا الی لقائك فی غیر ضراء مضرة ولا فتنة مضلة

اس میں دو قیدیں ہیں۔کہ اے اللہ مجھے ایسا شوق عطا ہو۔جس میں ضراء مضرہ نہ ہو(یعنی ضرر ظاہری)اور فتنہ مضلہ نہ ہو(یعنی ضرر باطنی) کیونکہ غلبہ شوق میں کبھی جسم کو بھی ضرر پہنچ جاتا ہے۔کہ شوق میں بے چین ہو کر گھلنے لگتا ہے اور باطنی ضرر بھی ہو جاتا ہے۔کہ بعض لوگ حد ادب سے نکل جاتے ہیں۔جیسے غلبہ شوق میں بعض عشاق محبوب کے پیروں میں گر پڑتے ہیں اور اس کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔بعضے زبردستی اس کا ہاتھ کھینچ کر چومتے ہیں۔بعض دفعہ باوجود کسی قابل نہ ہونے کے چند حالات وکیفیات عطا ہونے سے اپنے کو کامل سمجھنے لگتے ہیں۔(جلد 13 وعظ الاستقامت ص 364)

جلد ⑭... باحق زندہ اند

صَاحِبُو! جن چیزوں کو ہم یہاں بے جان سمجھتے ہیں وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذی حیات ہیں گو ہمارے سامنے جماد ہیں،چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ اور ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا ذریعہ بن جاؤ۔

اہل لطائف نے لکھا ہے کہ اگر سلاماً نہ فرمایا جاتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی برودت سے تکلیف پہنچتی اب سلاماً کی قید کے بعد اتنی ہی

ٹھنڈی ہوئی جونا گوار نہ ہو، سواس میں حق تعالیٰ کا آگ کوخطاب کرنا مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب ذی حیات کو ہوا کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

آب و باد وخاک و آتش بندہ اند　　بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

(پانی، ہوا، مٹی اور آگ سب بندے ہیں تمہارے اور میرے نزدیک مردہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں)۔۔۔۔اسی طرح آسمان وزمین وجبال وغیرہ سے حق تعالیٰ کا خطاب فرمانا نص میں مذکور ہے نیز ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے علاوہ اور بھی واقعات ایسے ہوتے ہیں جن سے عناصر کا ذی حیات ہونا معلوم ہوتا ہے مفسرین نے اصحاب الاخدود کے قصہ میں لکھا ہے کہ ایک یہودی بادشاہ نے مسلمانوں کو مرتد ہونے پر مجبور کیا جب لوگوں نے اس سے انکار کیا تو ظالم نے بہت سی خندقیں کھودیں اور ان میں آگ جلائی اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ یا تو آگ کو سجدہ کرو ورنہ تم کو اسی میں ڈال دیا جائے گا۔ (جلد 14 وعظ المعرق ص 239)

دُنیا بمقابلہ آخرت

صَاحِبُو! دنیا کی مثال آخرت کے سامنے ماں کے رحم کی سی ہے جب تک بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے اگر اس سے کہیں تو تنگ جگہ سے نکل اس سے فراخ جگہ موجود ہے تو وہ یقین نہ کرے گا اور جانے گا کہ یہی ہے جو کچھ ہے مگر جب باہر آتا ہے تو ایک بڑا عالم دیکھتا ہے کہ رحم کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں اور اب اگر اس سے کہا جائے کہ رحم میں واپس جانا چاہتا ہے تو وہ کبھی منظور نہ کرے گا، اسی طرح دنیا بمقابلہ آخرت کے بالکل تنگ ہے جب یہاں سے جاؤ گے تو شکر کرو گے اور دنیا میں ہرگز نہ آنا چاہو گے جب اللہ کے پاس پہنچنے کا وقت قریب آتا ہے اور اس عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے اُس وقت اگر مومن کو کوئی حیات افزا چیز دے کر کہا جاوے کہ لو اسے کھالو تاکہ تم مدت دراز تک زندہ رہو تو وہ لات مار دے گا اور چاہے گا کہ فوراً مر

جاؤں چنانچہ یہاں ایک پردیسی طالب علم طاعون میں مبتلا ہوئے لوگ ان کی تسلی کرتے تھے کہ تم اچھے ہو جاؤ گے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ یوں نہ کہو اب تو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے :

"اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ"

(نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور تمہیں جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے)

اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے لئے بادشاہ کی طرف سے وزارت کے عہدہ کا پیام آئے اور وہ شخص اپنے گھر سے پائے تخت شاہی کی طرف چلے تو گو اس کے گھر والے جدائی سے غمگین ہوں گے مگر یقیناً وہ شخص شاداں و فرحاں ہوگا اگر اُس حالت میں بادشاہ کی طرف سے یوں ارشاد ہو...... اگر تم چاہو تو اتنے روز کی مہلت بھی مل سکتی ہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہوگا، اسی طرح جب راحت آخرت کی خبر ہوتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اس وقت اگر اس سے دنیا میں رہنے کو کہیں تو ہرگز راضی نہ ہوگا۔

(جلد 14 وعظ انوار السراج ص 271)

خوف ورجاء

صاحبو! اگر یہ عقیدہ ہے تو اللہ کے لئے اپنا ایمان درست کرو غضب ہے تم نے تو نصوص کی بھی تکذیب کر دی کہ جن چیزوں پر جن چیزوں کا وعدہ ہے۔

اسی میں شکوک پیدا ہونے لگے بلکہ الایمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) کا حاصل یہ ہے کہ اسی کا خوف ہے کہیں ایمان ہی نہ جاتا رہے، یہ نہیں کہ ایمان رہے، پھر نجات نہ ہو یعنی اس مقدم پر کہ ایمان ہے اس تالی کا یعنی نجات کا مرتب ہونا ضروری ہے، یہ نہیں کہ مقدم ہو اور تالی نہ ہو جب تالی نہ ہوگی یعنی نجات تو تالا ضرور کھلے گا جب تالا کھلے گا ضرور جنت میں جاؤ گے گو ذکر عربی کی تالی کا تھا مگر اُس سے ذہن اُردو کی تالی کی طرف چلا گیا مگر خیر مضمون صحیح ہے، چاہے زبان

بدل گئی، صاحب زبان میں کیا رکھا ہے۔ (جلد 14 وعظ اثار الربح ص 347)

صَاحِبُو! اگر ایک بچہ روپے اور پیسے میں عملی فرق نہ کرے تو جائے تعجب نہیں لیکن اگر کوئی بڑا آدمی ایسا ہی کرنے لگے تو ضرور شبہ ہوتا ہے کہ اس کو روپیہ اور پیسہ میں فرق معلوم نہیں جبھی تو روپیہ دے کر پیسہ لیتا ہے اس وقت بعینہ یہی حالت ہماری ہے کہ اکثر لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان کو ایمان و عمل صالح کی حقیقت معلوم نہیں جبھی تو دنیا کے لئے ان کو برباد کیا جا رہا ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد ‏ ‏ ‏ ‏ که از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینہ کے دل کو خوشی نصیب نہ ہو کہ دنیا کے واسطے دین کو برباد کرتا ہے)

اس لئے ایمان و عمل صالح کی تفسیر بھی بیان کرتا ہوں تو سنئے ایمان و عمل صالح کیا ہے یہ سعی ہے آخرت کی طرف اور آخرت کا دنیا سے مقدم ہونا مسلمانوں کو مسلم ہے کیونکہ یہ بات عقیدہ میں داخل ہے پس ایمان و عمل صالح کا دنیا سے مقدم ہونا ثابت ہو گیا مگر ہماری حالت اس کے خلاف ہم دنیا کے لئے اعمال صالح کو برباد کرتے ہیں۔

(جلد 14 وعظ المودۃ الرحمانیہ ص 410)

مذمت دنیا

صَاحِبُو! بزرگوں نے تو مباحات میں بھی ایسے کام کو برا سمجھا ہے جس کی کوئی غرض نہ ہو پھر بلا وجہ غیبت تو کیوں نہ بری ہوگی۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں چند بزرگ حاضر ہوئے اور ان کے پاس بیٹھ کر دنیا کی مذمت کرنے لگے آپ نے فرمایا: قوموا عنی فانکم تحبون الدنیا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے ان حضرات کو بڑی حیرت ہوئی کہ ہم تو دنیا کی مذمت کر رہے ہیں ہم محب دنیا کیونکر ہو گئے فرمایا:

من احب شیئا اکثر ذکرہ

جس کو کسی شے سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے اگر تم کو دنیا سے محبت نہ ہوتی تو اتنی دیر تک تم بلا وجہ اس کے ذکر میں مشغول نہ رہتے بلکہ محبوب حقیقی کو یاد کرتے جس بات پر حضرت رابعہ کی نظر پہنچی ہے وہ گہری بات ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی شئے کی مذمت سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ مخاطبین میں سے کسی کو اس سے بچانا منظور ہے۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اس کے سامنے کسی شے کی مضرت کا ذکر کیا جائے یہ مذمت تو بلا وجہ نہیں اور کبھی مذمت اس غرض سے ہوتی ہے کہ اس شخص کی نظر میں اس کی وقعت ہے تو یہ اس کی مذمت کر کے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہتا ہے۔

مثلاً کوئی یہ نہ کہے گا کہ مجھے راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ملا تھا مگر میں نے نہ اٹھایا ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں رئیس نے ہم کو پانچ ہزار روپے دینا چاہے تھے مگر ہم نے توجہ بھی نہ کی تو پیسہ کے متعلق عدم التفات کا ذکر نہ کرنا اور اتنی بڑی رقم کے متعلق ذکر کرنا اس کی دلیل ہے۔ کہ اس شخص کے دل میں پانچ ہزار روپے کی وقعت ہے اس لئے ان سے بے پروائی ظاہر کر کے یہ اپنا کمال ثابت کرنا چاہتا ہے اسی طرح یہ کبھی نہ کہا جائے گا کہ ہم کو ایک چمار راستہ میں ملا تھا ہم نے اس کو سلام نہ کیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حاکم ہم کو ملا تھا ہم نے اس کو سلام بھی نہیں کیا۔

اس میں خود اقرار ہے کہ اس کے دل میں حاکم کی وقعت ہے اب سمجھئے کہ جن بزرگوں نے حضرت رابعہ کے سامنے دنیا کی مذمت کی تھی ان کے اندر طالب دنیا کوئی نہ تھا سب تارک دنیا تھے تو ان کی مذمت قسم اول میں تو داخل تھی نہیں کیونکہ مخاطبین میں مریض کوئی نہ تھا بس قسم دوم میں داخل تھی کہ مذمت دنیا کر کے ان کو اپنا زہد ظاہر کرنا مقصود تھا اور اس سے خود دنیا کی وقعت کرنا ہے اگر دل میں اس کی وقعت نہ ہوتی تو اس سے بے رغبتی ظاہر کرنے کا خیال ہی نہ ہوتا۔

جیسا کہ ایک پیسہ سے بے رغبتی کو کوئی بھی ظاہر نہیں کرتا اس لئے حضرت رابعہ نے

فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے یعنی اس کی وقعت کسی قدر تمہارے دل میں باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو بعض دفعہ دنیا کی مذمت فرمائی ہے وہ بضرورت تھی یعنی وہ قسم اول میں داخل تھی کہ مخاطبین میں بعضے مریض تھے ان کی اصلاح مقصود تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نہ تھے بلکہ ساری اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب تھی۔ (جلد 14 وعظ المودۃ الرحمانیہ ص 415)

حلال وحرام کا علم

صاحبو! میں آپ کو ایک کام کی بات بتلاتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگوں کو اپنی حلال وحرام آمدنی کو کم از کم معلوم تو ضرور کر لینا چاہئے، گو اس وقت تمام ناجائز صورتوں کے ترک کی ہمت نہ ہو مگر معلوم کر لینے سے عقیدہ تو درست ہو جائے گا اور ارتکاب کے بعد گناہ کا خطرہ تو ہوگا کیا عجب ہے کسی وقت یہ خطرہ ایسا غالب ہو کہ توبہ خالصہ کی توفیق ہو جائے دیکھئے ایک شخص کے بدن میں خارش ہے اگر اس کو خارش کا نسخہ بھی معلوم نہیں تو وہ بڑے خسارہ میں ہے اور اگر نسخہ معلوم ہو تو زیادہ خسارہ میں نہیں کیونکہ یہ شخص جب بہت تنگ ہوگا اُمید ہے علاج کر لے گا اسی طرح یہاں سمجھئے۔ پس اپنی آمد وخرچ میں حلال وحرام کو ضرور معلوم کرنا چاہئے پھر دو قسم کے حقوق ہیں ایک حق العباد ایک حق اللہ اگر ایک دم سے سب کے ترک کی ہمت نہ ہو تو پہلے حقوق العباد کو ترک کر دو حقوق اللہ میں اگر ابتلاء ہو تو وہ شاید ایک اللھم اغفرلی سے معاف ہو جاویں، بشرطیکہ توبہ توبہ کے طریقہ سے ہو۔ (جلد 14 وعظ المودۃ الرحمانیہ ص 421)

جلد ⑮...رضا وعدم رضا

صَاحِبُو! ناراضی حق بہت سخت چیز ہے جیسے رضاء الٰہی کے بارے میں ارشاد ہے
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ أَكْبَرُ (اور اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی چیز ہے)
ایسے ہی اُس کی ناراضگی کی بھی یہی حالت ہے کہ سخطة من الله اکبر واھول
(اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سخت اور ہولناک چیز ہے) عارف فرماتے ہیں ؎

از فراق تلخ می گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

(جدائی کی تلخ باتیں مت کرو جو کچھ کرو مگر یہ جدائی اختیار مت کرو) اور فرماتے ہیں ؎

شنیدہ ام سخنِ خوش کہ پیر کنعاں گفت فراق یار نہ آں می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظِ شہر کنایتیست کہ از روزگار ہجرات گفت

(میں نے سنا کہ پیر کنعاں نے اچھی بات کہی کہ محبوب کی جدائی ایسا اثر کرتی ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا واعظ شہر نے قیامت کے ہولناک اور دہشتناک حالات کا جو بیان کیا ہے اس کو زمانہ ہجر کا ایک کنایہ کہنا چاہئے)۔ (جلد 15 وعظ ارضاء الحق ص 59)

فضل خداوندی

صَاحِبُو! تم اپنے عمل کو اپنا عمل نہ سمجھو تمہارے ارادہ واختیار میں اتنی قوت نہیں جو دوامًا یہ اعمال صادر ہو سکیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تم سے کام لے رہے ہیں کہ ایک داعیہ ایسا پیدا کر دیا ہے جو تم کو بے چین کئے رہتا ہے اور بالاضطرار تم سے کام لیتا ہے پس جو لوگ نماز و ذکر وغیرہ کے پابند ہیں۔ وہ اس کو اپنا کمال نہ سمجھیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا فضل وانعام سمجھیں۔ بہرحال اگر کسی میں ذوق وشوق کی کمی ہو تو وہ مغموم نہ ہو بلکہ

مطمئن رہے کہ قرب حق اس کو بھی حاصل ہو سکتا ہے، ذوق وشوق خود مطلوب نہیں اور باوجود غیر مطلوب ہونے کے وہ بھی اس کے اندر موجود ہے جس کی دلیل داعیہ کا موجود ہونا ہے گو دوسروں کی طرح غلبۂ ذوق وشوق کے آثار اس کے اندر نہ ہوں۔

اور جن پر اس وقت غلبہ نہیں ہے ان پر بھی بعض دفعہ غلبہ ہو جاتا ہے۔ جب کوئی محرک پایا جائے۔ مثلاً خدانخواستہ خدا اور رسول کی شان میں کوئی کافر گستاخی کرے تو اس وقت ہر مسلمان کو جوش آتا ہے اور جان لینے اور دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ محبت طبعی بھی ہر مسلمان میں ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ بعض میں ہر وقت اس کا ظہور ہوتا ہے اور بعض میں کسی محرک قوی لیکن خالی کوئی نہیں ہے۔ (جلد 15 وعظ ارضاء الحق ص 75)

نظر بر تقدیر

صاحبو! پھر حق تعالیٰ سے ایسی بدگمانی کیوں ہے کہ وہ آج دے کر وہ پھر نہ دیں گے آخر تقدیر بھی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ پھر تقدیر پر صابر وشاکر کیوں نہیں رہتے۔

امیر شاہ خان صاحب نے ایک حکایت لکھوائی ہے کہ دہلی میں ایک بزرگ پہنچے اور اُن کو کئی دن کا فاقہ پیش آیا کئی روز کے بعد ایک قاب میں نہایت نفیس پلاؤ آیا، انہوں نے کھایا مگر پورا نہ کھایا گیا بلکہ آدھا بچ گیا، اب نفس کے ساتھ کشاکشی ہوئی نفس کہتا تھا کہ اس کو شام کے واسطے رکھ لو اور لمۂ خیر کہتا تھا کہ فقیروں کو دیدو شام کو اللہ تعالیٰ پھر دیں گے، نفس نے کہا کیا خبر ہے شام کو دیں گے یا نہیں لمہ خیر نے کہا خدا تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے کہا ہاں وعدہ تو ہے مگر اس میں کچھ وقت کی تو تعیین نہیں کیا خبر کب دیں گے۔ لمۂ خیر نے کہا پھر کیا حرج ہے ان کو اختیار ہے جب چاہیں دیں بالآخر لمۂ خیر غالب آیا اور وہ بچا ہوا کھانا کسی فقیر کو دیدیا، سامنے سے ایک مجذوب نظر آیا اور یہ کہتا ہوا گزر گیا واہ بے سالے واہ خوب سمجھا یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ اگر یہ بچا ہوا کھانا شام کے واسطے رکھے تو سالے کو بھوکا مارو اور عمر بھر کچھ

کمانے کو نہ دو واہ بے سالے واہ، خوب سمجھا اب دروازہ کھل گیا۔

صاحبو! یاد رکھو بعض دفعہ ایک روپیہ ایسا رکھنا جس سے دل میں کھٹک تھی رزق سے محرومی کا سبب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کیا کرتے ہیں کہ اس کو ہم پر بھروسہ ہے یا اسباب پر نظر ہے، اس لئے بعض دفعہ ایسی چیز بھیجتے ہیں جس میں شبہ ہو جس کے متعلق اُس کے متعلق دل میں کھٹک پیدا ہو۔

اب اگر اس نے کھٹک کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا تو حق تعالیٰ فتوحات کا دروازہ کھول دیتے ہیں ورنہ باب مسدود ہو جاتا ہے اب آج کل یہ حالت ہے کہ جو کچھ آ گیا اس کو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے بھیجا ہے پھر اس کو کیوں واپس کریں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ شاید امتحان کے واسطے بھیجا گیا ہو بس اس کا منشاء وہی بدگمانی اور تقدیر پر نظر نہ کرنا ہے۔ (جلد 15 وعظ ارضاء الحق ص 95)

حقیقی تفقہ

صاحبو! یہ علم ہے اور اس کا نام ہے تفقہ کہ اگر کوئی چیز قاعدہ سے جائز بھی ہو مگر اس سے دین پر حرف آتا ہو تو اس کو بھی ترک کر دیا جائے مگر آج کل مدارس میں عموماً اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص کا چندہ بے تکلف لے لیا جاتا ہے۔

جس کا راز یہ ہے کہ آج کل اہل مدارس نے مخترع ثمرات کو مطلوب سمجھ رکھا ہے کہ ہمارا مدرسہ بارونق ہو اُس میں پانچ سو ہزار طلبہ ہوں پچاس سو مدرس ہوں اور ایسی عمارت ہو اور ہر سال اس میں سے اتنے طلبہ فارغ ہوں اور یہ باتیں بدوں زیادہ رقم کے نہیں ہوسکتیں۔ تو اب ہر وقت ان کی نظر آمدنی پر رہتی ہے اور جہاں سے بھی چندہ آتا ہے رکھ لیا جاتا ہے واپس کرتے ہوئے یہ خیال ہوتا ہے کہ حرام اور مشتبہ مال کو واپس کرنا شروع کریں تو اتنی آمدنی کس طرح ہوگی جو اتنے بڑے کارخانہ کو کافی ہو سکے بس یہی جڑ ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے رضائے حق مقصود نہیں۔ اس جڑ کو اکھاڑ

پھینکو اور ثمرات پر ہرگز نظر نہ کرو نہ زیادہ کام کو مقصود سمجھو بلکہ رضائے حق کو مقصود سمجھو چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے۔ اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر دینداری اور علم کا نام مت لو نہ خدا سے محبت کا دعویٰ کرو۔ افسوس خدا سے محبت اور غیر پر نظر ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کارازیں دو کاری باید کرد

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

(سرمد شکوہ شکایت نہ کرنا چاہئے دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہئے یا تو تن دوست کی خوشنودی میں دے دینا چاہئے یا دوست سے قطع نظر کر لینی چاہیے)...

(جلد 15 وعظ ارضاء الحق ص 102)

رضائے حق و رضائے خلق

مسلمانو! سنبھلو اور اپنی حالت کو سنوارو کہ ہم راستہ سے بہت دور پہنچ گئے ہیں اور سب سے زیادہ ضرورت علماء و مشائخ کو اپنی اصلاح کی ہے کیونکہ ان کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے۔ پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی۔

یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہٗ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہؒ رہتے تھے، وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے، دکاندار نہ تھے جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آ گیا ہے۔ اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے۔ واللہ! میں تو اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم

سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلی قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدینؒ کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہے۔

اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا۔

اس کے بعد شاہ بوعلی قلندرؒ خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے گویا حضرت شیخ شمس الدینؒ کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو۔اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

صاحبو! ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے ہمارے اندر تحزب اور گروہ بندی کا مرض آ گیا ہے اگر ہم کو نفع خلق مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا۔ بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا۔اب میں دین کا کوئی دوسرا کام کروں جس کو کوئی نہ کر رہا ہو۔ نیز اگر نفع خلق مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع پہنچتا۔ہم اُس سے خوش ہوتے اگرچہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہوتا کیونکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف تو اہل حق میں ابتداء سے چلا آ رہا ہے کوئی نئی بات نہیں مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اُس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اُس سے خوش نہ ہوں گے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی

ہے میں کہاں تک معیارات بیان کروں۔ اگر ہمارے اندر دین ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کسوٹیوں پر نہیں کسا جاتا۔ بس جہاں تک اپنی حالت میں غور کرتے ہیں، حسرت ہی ہوتی ہے اور زیادہ حسرت اس کی ہے کہ حسرت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔

صَاحِبُو! یہ سب آثار اسی کے ہیں کہ ہم لوگ رضائے خلق کو رضائے حق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بڑا مرض ہے جو شرک کا شائبہ ہے کیونکہ اسی سے ریاء پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ ریاء کی حقیقت مقصودیت خلق ہے اور جو شخص رضائے خلق کا طالب ہوگا اُس سے زیادہ مقصودیت خلق کس میں ہوگی پس ریاء بھی اس مرض کی فرع ہے اور ریاء کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (جلد 15 وعظ ارضاء الحق ص 111)

صدق واَخلاص

صَاحِبُو! محض ملفوظات کے یاد کر لینے کا نام تصوف نہیں ہے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ملفوظات یاد کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس کی سعی کرو کہ تم بھی ایسے ہو جاؤ کہ تمہاری زبان سے وہی باتیں نکلنے لگیں جو اُن کے منہ سے نکلیں اور وہ حالت بنا لو کہ

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب بے معید وا وستا

(علوم انبیاء علیہم السلام میں خود کو بغیر کسی کتاب بغیر کسی استاذ اور بغیر کسی معاون کے محسوس کروگے)۔۔۔ اور اگر یہ نہ ہو تو محض دعوے و تصنع سے کیا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

که گهے آہے دروغے میزنی از برائے مسکہ دوغے میزنی
خلق را گیرم کہ بفریبے تمام در غلط انداز تا ہر خاص و عام
کارہا باخلق آرے جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کار با اور است باید داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن

(کبھی کبھی محض فریب سے آہیں کھینچتے ہو مکھن کے لئے چھاچھ بلوتے ہو مجھے مخلوق پر رحم آتا ہے کہ تم نے فریب تمام سے ہر خاص و عام کو مبتلائے غلطی کر دیا ہے مخلوق

کے ساتھ ہر قسم کے کام روا ہیں لیکن خدا کے ساتھ فریب کاری کہاں روا ہے ان کے ساتھ معاملہ درست رہنا چاہئے صدق واخلاص کے پرچم کو بلند رکھنا چاہئے)...

(جلد 15 وعظ طریق القرب ص 137)

مخالفین کیلئے دُعائے خیر

صَاحِبُو! کس کی بدعت کس کی وہابیت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں بعض مختلف فیہ بھی ہیں کوئی کسی طرف گیا کوئی کسی طرف تو اس کے لئے لڑتے کیوں ہو اور اگر کوئی مسئلہ متعین الصواب (اس کا درست ہونا یقینی ہے) ہے اور اس میں کسی کو لغزش ہے تو اس کے غیر کے دعا کرو۔ خوب کہا ہے

گر ایں مدعی دوست بشناختے   بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(اگر یہ مدعی دوست کو پہچان لیتے تو دشمن کی تلوار سے مشغول نہ ہو جاتے)

دیکھو اگر ایک مجلس میں محبوب بھی ہو اور اُس نے اجازت دیدی ہو کہ میری طرف دیکھو اور یہ دیکھنے میں مشغول ہو کہ اتنے میں ایک شخص آ کر اس کی انگلی کو چھو دے اب بتاؤ کہ وہ کیا کرے گا کیا محبوب کی طرف سے نظر ہٹا کر اس شخص کو دیکھنے لگے گا یا اس سے اُلجھنا شروع کر دے گا۔ ہرگز نہیں وہ کبھی دوسری طرف التفات بھی نہ کرے گا۔ اور اگر التفات کرے گا تو محبوب سے حرمان ہوگا اور یہ توجہ واستغراق اسی وقت ہوگا کہ دوست کو پہچانے۔ اسی کو کہتے ہیں

گر ایں مدعی دوست بشناختے   بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(اگر یہ مدعی دوست کو پہچان لیتے تو دشمن کی تلوار سے مشغول نہ ہو جاتے)

اگر ادھر متوجہ ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی۔ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر تم سے کوئی مناظرہ کرے تو تم کبھی مناظرہ نہ کرو اس سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ (جلد 15 وعظ طریق القرب ص 147)

غفور کے معنی

صاحبو! آپ نے نہ خدا تعالیٰ کی عظمت سمجھی نہ گناہ کی حقیقت معلوم کی تو سمجھو کہ گناہ کہتے ہیں۔ حاکم کی سرکشی کو اور جس قدر حاکم بڑا ہوتا ہے اُسی قدر اس کی سرکشی بھی جرم عظیم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک سرکشی تو یہ ہے کہ حاکم ضلع کا کہنا نہ ماننا۔ مگر اُس سے بڑھ کر وائسرائے کا کہنا نہ ماننا اور بادشاہ کا کہنا نہ ماننا تو سب سے بڑا سنگین جرم ہے۔ ایسے ہی بڑے بھائی کا کہنا نہ ماننا ایک جرم ہے مگر باپ کا کہنا نہ ماننا اس سے بہت بڑا جرم ہے غرض سرکشی کی شدت کا مدار اس شخص کی عظمت پر ہوتا ہے جس کی سرکشی کی گئی ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ سمجھ لیجئے

اور دوسرا مقدمہ سب کو پہلے سے مسلم ہے کہ خدا تعالیٰ سے بڑا کوئی حاکم نہیں کیونکہ اور سب کی عظمت محدود ہے اور عظمت الٰہی غیر محدود خارج از وہم وقیاس ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ بھی سب کے نزدیک بدیہی اور مسلم ہے کہ سزا بقدر گناہ ہوا کرتی ہے۔

پس اب سمجھئے کہ جب خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ تو اس کی مخالفت سے بڑھ کر کوئی مخالفت نہیں۔ اور اس کی مخالفت کی سزا سے بڑھ کر کسی کی مخالفت کی سزا نہیں بڑھ سکتی۔ تو جیسا کہ عظمت غیر اللہ محدود ہے اسی لئے اس کی مخالفت کی سزا بھی محدود ہوتی ہے اور چونکہ عظمت الٰہی لامحدود ہے اس کی مخالفت کی سزا بھی غیر محدود ہونی چاہئے۔

پس اس عقلی قاعدہ کا مقتضا تو یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی صغیرہ گناہ بھی ہو جائے تو چونکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس کی سزا بھی ابدالآباد جہنم ہونی چاہئے اور اس کے لئے کبھی مغفرت نہ ہونی چاہئے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ابدالآباد جہنم سوائے مشرکین و کافرین کے کسی کے واسطے مقرر نہیں فرمائی۔ پس اب اگر حق تعالیٰ کسی گناہ میں دس ہزار دس لاکھ برس کے بعد بھی چھوڑ دیں تو یہ اُن کی مغفرت اور بخشش ہے یا نہیں یقینی ہے اور ضرور ہے اور دنیا کے قصوں میں ہم اس کو رات دن جانتے ہیں۔ اگر کوئی

شخص دس سال کی جیل کا مستحق ہو اور حاکم اس کو دو برس کے بعد چھوڑ دے۔ یہ اس کا انعام سمجھا جاتا ہے یا نہیں۔ پس نا محدود عذاب کی بجائے اگر حق تعالیٰ محدود عذاب دے کر دس ہزار یا دس لاکھ ہزار برس کے بعد بھی نجات عطا فرما دیں تو یہ بھی یقیناً مغفرت ہوگی۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ غفور ہونے کیلئے سزا نہ دینا ضروری نہیں بلکہ غفور ہونے کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایک محدود زمانہ تک سزا دے کر رہا کر دیا جاوے۔ اور غفور ہونے کی ایک یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ گناہ کرتے ہی فوراً سزا نہ دی جائے جس کا ظہور دنیا میں ہوتا ہے۔ (جلد 15 وعظ وحدۃ الحب ص 161)

مجاہدہ ولوازم بشریت

صَاحِبُو! قاعدہ ہے کہ جس محبوبہ سے ابھی تک وصال نہ ہوا ہو اس سے جب اول اول وصال ہوتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے مگر بعد میں یہ حال نہیں رہتا۔ بلکہ سکون ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ وصال کے بعد محبت نہیں رہتی۔ محبت تو اب پہلے سے زیادہ ہوتی ہے چنانچہ تجربہ ہے کہ جو تعلق پُرانی بیوی سے ہوتا ہے اور اس سے جتنا دل کھلا ہوا تھا نئی بیوی کے ساتھ ویسا تعلق نہیں ہوتا۔ اُس میں کس قدر اجنبیت سی ہوتی ہے۔ مگر جوش نئی بیوی کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ پُرانی بیوی کے ساتھ وہ جوش نہیں ہوتا تو بات یہ ہے کہ ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی اور بعد میں اُنس کا رنگ غالب ہوتا ہے اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں مثلاً بات پر رونا اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ۔ مگر لوگ انہی آثار کو مقصود سمجھتے ہیں۔ اور اُنس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہو جاتے ہیں تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضائے طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہونا یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو جائے۔ ہم جب غارِ ثور پر گئے جہاں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت تین دن مخفی رہے تھے۔ تو پہاڑ پر چڑھنا پڑا اور بحمد اللہ اس

غار کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مگر جب پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو سانس پھول گیا اور دل دھڑکنے لگا۔ اور ایسا کھٹکا پیدا ہوا جو مسموع بھی ہوتا تھا۔ میں نے دوستوں سے کہا کہ لو بھائی اگر یہی حرکت قلب مدار ولایت ہے تو سب ولی ہو گئے اور اگر یہی ولایت ہے تو اس کا یہ طریقہ بہت آسان ہے کہ پہاڑ پر چڑھ لیا کرو نہ مجاہدہ کی ضرورت ہے نہ اعمال واشغال کی۔ (جلد 15 دعوات عبدیت ص 246)

محبت منعم

صَاحِبُو! جو لوگ اس نیت سے حظوظ کا استعمال کرتے ہیں کہ اُن سے منعم کی محبت زیادہ ہوگی، اُس کو کھانے میں انوار کا احساس ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب انگور وغیرہ سب چیزیں جو ہدیہ میں آتی کھاتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص محبت سے ہدیہ لاتا ہے تو اُس کو کھا کر قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے کہ انگور کھا رہے ہیں اور نور پیدا ہو رہا ہے۔ قافیہ بھی مل گیا۔ حاجی صاحب کے کلام پر تو شاید آپ کو شبہ ہوا ہوگا۔ کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ انگور سے نور پیدا ہو۔ کیونکہ حاجی صاحب نے اس کی دلیل نہیں بیان فرمائی۔ لیجئے میں آپ کو اس کی دلیل مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں دکھلا دوں۔ اُن کے علم کے تو سب قائل ہیں۔ ایک بار مولانا کے لئے ایک شخص گاڑھے کی ٹوپی لایا جس پر شال باف کی گوٹ لگی ہوئی تھی اور کہا حضرت فلاں شخص نے یہ ٹوپی آپ کے لئے بھیجی ہے۔ مولانا نے اُسی وقت اپنی قیمتی ٹوپی سر سے اُتار کر فوراً وہ گاڑھے کی ٹوپی اوڑھ لی۔ پھر جب قاصد چلا گیا تو آپ نے گاڑھے کی ٹوپی اتار کر کسی کو دیدی۔ اور اپنی پہلی ٹوپی پھر اوڑھ لی۔ ایک خادم نے پوچھا کہ حضرت جب اس کو رکھنا منظور نہ تھا تو آپ نے اوڑھی ہی کیوں تھی۔ فرمایا اس لئے اوڑھ لی تھی۔ تا کہ یہ قاصد جا کر مُہدی کو اطلاع کرے کہ تمہارے ہدیہ کی قدر کی گئی۔ تیری بھیجی ہوئی ٹوپی فوراً سر پر

رکھ لی گئی۔ اس سے مُہدی خوش ہوگا اور تطییب قلب مومن طاعت ہے اسی طرح جب ہدیہ کا انگور کھایا مُہدی کا دل خوش ہوا تو کھانے والے نے طاعت کی۔ اس کے ساتھ ایک مقدمہ بدیہیہ اور ملا لیجئے کہ طاعت سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جس پر دلائل شرعیہ شاہد ہیں۔ پس لیجئے دلیل سے حاجی صاحب کا دعویٰ ثابت ہو گیا۔

(جلد 16 وعظ فناء النفوس ص 267)

طلب اسرار

صَاحِبُو! باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اگر وہ باپ کی نصیحت میں شبہ کرنے لگے تو وہ ایک دھول لگاتا ہے جواب میں دلائل سے اپنے قول کو مدلل نہیں کرتا تو کیا خدا کو اتنا بھی حق نہ ہو ہاں کبھی خود چاہیں تو اپنے افعال کی حکمتیں کسی موقع پر بیان بھی فرما دیتے ہیں۔ اور کبھی خواص کو ان اسرار کا الہام ہو جاتا ہے۔

مگر یہ کب ہوتا ہے جب کہ اسرار کی طلب نہ ہو کیونکہ طالب اسرار کو کشف اسرار میسر نہیں ہوتا۔ جنت و نماز روزہ کا طلب کرنا تو مطلوب ہے۔ مگر اسرار و حکم کا طلب کرنا ممنوع ہے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؂

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

(حدیث و مے بھی عشق و محبت کی باتیں کرو زمانہ کے بھید اور اسرار کی ٹوہ میں مت لگو کیونکہ یہ عقیدہ حکمت سے نہ کسی نے حل کیا اور نہ حل کر سکے گا)

ہاں مجذوبین کچھ اسرار بیان کر دیتے ہیں مگر وہ اسرار ہی کیا ہیں صرف کونیہ ہوتے ہیں۔ جو تکوین کے متعلق ہوتے ہیں کہ فلاں دن بارش ہوگی۔ فلاں سن میں جنگ ہوگی۔ ایک بادشاہ معزول ہوگا، فلاں شخص مقدمہ میں کامیاب ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ باقی اسرار الہیہ کی ان کو کیا خبر کچھ نہیں لوگ خواہ مخواہ ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔ یہ بھی ایک مطلب ہو سکتا ہے۔ عارف کے اس شعر کا ؂

راز دروں پردہ زرنداں مست پرس کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

کہ اسرار کونیہ کو مجذوبوں سے پوچھو صوفیان عالی مقام کو اس کی خبر نہیں اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ یہ اسرار کچھ قیمتی نہیں ورنہ بڑے لوگوں کے پاس ضرور ہوتے۔

غرض طلب اسرار ممنوع ہے اور بلا طلب بھی مقصود نہیں اسی لئے حق تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے ہاں اجمالاً اتنا فرما دیا ہے کہ عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو) تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ بندہ کے مصالح کی رعایت کوئی نہیں کرسکتا۔ مگر ان کو بتلانے کی ضرورت نہیں پس حق تعالیٰ کے استغناء کے یہ معنیٰ نہیں کہ ان میں رحم نہیں بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج اور کسی سے عاجز نہیں۔ (جلد 15 وعظ افنا المحبوب ص 398)

مثال احوال و کیفیات

صاحبو! ان احوال و کیفیات کی مثال ایسی ہے جیسے کھانے کے ساتھ سرکہ چٹنی۔ اب اگر کسی وقت دستر خوان پر سرکہ چٹنی نہ ہو تو کیا آپ کو یہ کہنے کا حق ہے کہ میں تو کھانا بھی نہیں کھاتا۔ اگر چٹنی سرکہ ہی کھایا کرو گے تو دماغ چٹنی ہو جائے گا کہ نہ سر کے رہو گے نہ پیر کے

بدادصاف ترا حکم نیست دم درکش کہ ہرچہ ساقی کاریخت عین الطافست

(اے بدادصاف تجھے دم مارنے کا حکم نہیں ہے جو کچھ ہمارا ساقی ہمارے پیالے میں ڈالے وہ اس کے عین الطاف ہے)

وہ طبیب بڑا کریم ہے جو ہر مریض کو اس کے مزاج کے موافق دوا و غذا دے۔ پس حق تعالیٰ جس کو جس مزاج کا دیکھتے ہیں وہی عطا فرماتے ہیں تمہارے لئے ممکن ہے کہ یہی مناسب ہو کہ احوال و کیفیات نہ ہوں، شوق و ذوق کا غلبہ نہ ہو پس تم کو جو عطا ہوا ہے لے لو۔ تم کو اگر احوال عطا ہو جاتے تو تمہارے لئے شاید یہ خطرہ ہوتا کہ

اگر یہ انفعالات نہ رہے تو تم افعال ہی سے رہ جاؤ گے۔

اور یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ بیان پہلے بیان کا تتمہ ہے اس میں یہ بیان تھا کہ انفعالات مطلوب نہیں بلکہ افعال مطلوب ہیں آج اس کا بیان ہے کہ ترک طلب انفعالات بھی انفاق محبوب میں داخل ہے اور انفاق محبوب پر حصول بر کامل موقوف ہے تو بدوں ترک طلب انفعالات کے بر کامل حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ طلب انفعالات میں ایک تو وہی خطرہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ اگر انفعالات نہ رہے تو تم افعال ہی سے رہ جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ شیخ سے بدظن ہو جاؤ گے۔ اول اس سے شکایت کرو گے کہ مجھے ذکر وغیرہ سے تاثر نہیں ہوتا۔ حالات طاری نہیں ہوتے اور یہ بات شیخ کے اختیار سے باہر ہے۔ شیخ کے قبضہ میں تو خود اپنے احوال بھی نہیں وہ تم کو حالات کہاں سے دیدے۔ پھر جب تم کو حالات حاصل نہ ہوں گے تو پھر شیخ کی شکایت کرو گے اور اپنے دل میں کہو گے کہ شیخ پھس پھسا ہے صاحب تصرف نہیں۔ (جلد 15 وعظ انفاق المحبوب ص 405)

جوش اجتہاد

صاحبو! انسان کو چاہئے کہ وہ جس کام کا نہ ہو۔ اس میں دخل نہ دے۔ نصوص کا سمجھنا ہر ترجمہ دیکھنے والے کا کام نہیں ۔ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ہر وہ شخص جو آئینہ رکھتا ہے ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو)

ایسے لوگوں کی بالکل وہ مثال ہے کہ کسی ہندو کے ہاتھ سونٹھ (خشک ادرک) کی گرہ آ گئی۔ وہ پنساری بن بیٹھا۔ ذخیرہ توکل یہ ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ لیا۔ تو بس اس پر جوش اجتہاد۔ پھر ترجمہ بھی ایسا نور بھرا کہ جو ترجمہ سب سے زیادہ مقبول و مشہور ہے۔ اس کی یہ حالت ہے کہ لفظ نَستَبِقُ کا ترجمہ کیا ہے کہ کبڈی کھیلنے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے یا تو کبھی کبڈی کھیلی نہیں یا بھول گئے ہوں گے۔

استباق کبڈی کو کہتے ہی نہیں۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے دوڑنے لگے۔ سو اوّل تو یہ ترجمہ لغت کے خلاف دوسرے عقل

کے بھی خلاف کیونکہ کبڈی کا میدان بہت کم ہوتا ہے۔ اُس میں کپڑوں کا محافظ پیش نظر رہتا ہے۔ تو اُس میں بھیڑیئے کے کھانے کا عذر کہاں چل سکتا ہے۔

بخلاف استباق کے صحیح معنیٰ کے کہ اُس میں محافظ نظر سے غائب ہو جائے گا۔ غرض اس قسم کے تو تراجم پیش نظر رکھیں اور اس پر اجتہاد کریں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اجتہاد اب منقطع ہو گیا ہے۔ اِسی کو فقہاء نے بھی لکھ دیا ہے کہ بعد چوتھی صدی کے اجتہاد ختم ہو گیا اور جب علماء سے بھی اجتہاد منقطع ہو گیا۔ تو عوام الناس میں تو کہاں محتمل ہے۔ یہ سلطنت جمہوری کا مسئلہ ایک جملہ معترضہ تھا۔

شریعت کی بیخ کنی

اصلی مضمون یہ تھا کہ خدا کے ہاں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ تو اب آپ کو کیا منصب ہے کہ نماز میں رائے دیں۔ یہ تو نماز میں تھا۔ ایک صاحب نے روزہ میں یہ رائے دی کہ روزہ اگر فروری میں ہوتا تو اچھا ہوتا کہ آسانی ہوتی۔ حالانکہ اس عقلمند نے یہ نہ سوچا کہ روزہ صرف اس کے لئے تو نہیں کہ اس کی آسانی دیکھ لیتے وہ تمام روئے زمین کے لئے ہے۔ کیا ساری دنیا میں فروری کے مہینے میں یہی حالت رہتی ہے جو کہ یہاں رہتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے رہتے ہیں ان کو واقعات کی خبر نہیں۔ (جلد 15 وعظ قطع التمنی ص 436)

حق عظمت

صَاحِبُو! اوّل تو اللہ تعالیٰ کا ہماری طرف متوجہ ہونا ایسا امر ہے کہ اگر اس کے بعد ہم کو اُدھر متوجہ ہونے کا حکم بھی نہ ہوتا تب بھی ہم کو خود متوجہ ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی عظمت کا مقتضاء یہی ہے کہ ہم اُدھر متوجہ ہوں گو وہ ہماری طرف متوجہ بھی نہ ہوں۔ تب بھی اُن کی عظمت کا مقتضاء یہ ہے کہ ہم ہی اوّل اُدھر متوجہ ہوں کیونکہ بعض حقوق تو احسان وانعام کی وجہ سے ہوتے ہیں اور بعض حقوق محض عظمت کی وجہ سے ہیں۔ صاحبو!

حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا یہ اُن کی عظمت کا حق ہے۔ گو اُدھر سے کوئی احسان بھی نہ ہوتا۔ اس کو صوفیہ نے سمجھا ہے وہ اکثر اعمال میں حق عظمت ہی کا خیال رکھتے ہیں۔

چنانچہ تفویض و تسلیم کے متعلق محققین کا قول ہے کہ تفویض اس نیت سے اختیار نہ کرے کہ اس سے راحت ہوتی ہے بلکہ محض اس لئے اختیار کرے کہ یہ حق تعالیٰ کا حق عظمت ہے یعنی تم یہ سمجھ کر تفویض کرو کہ تم غلام ہو اور وہ آقا ہیں۔ اور آقا کا حق ہے کہ غلام اپنے سب امور اُس کو مفوض کر دے۔ (اس کے سپرد کر دے) اُس میں کسی اور مصلحت و منفعت کا خیال نہ کرو پھر وہ مصالح و منافع بھی خود بخود حاصل ہو جائیں گے کیونکہ وہ تو تفویض کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ لیکن اداءِ حق عظمت کے ارادہ کے ساتھ وہ منافع مع ثواب و رضاء کے حاصل ہوں گے اور اس کے بغیر گو منافع مرتب ہوں مگر اُس میں رضاء و قرب زیادہ نہ ہوگا۔ (جلد 15 وعظ التحات فی الاوقات ص 468)

عطاء کی ناقدری

صاحبو! اسی طرح ہم کو چاہئے کہ ہر وقت حق تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلائے رہیں۔ کیونکہ نہ معلوم کس وقت بکھیر ہونے لگے۔ اگر ہر وقت دامن پھیلائے رہو گے۔ تو ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ تمہارے دامن میں بھی ضرور ہی آجائے گا۔ اسی کو کہتے ہیں ؂

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگا ہے کند آگاہ نباشی

(ایک آن کے لئے بھی اس بادشاہ سے غافل نہ ہو بہت ممکن ہے کہ وہ نگاہ کرم فرمائیں اور تو بے خبر رہے)...... پھر اس لیڈر کو تو بھنگیوں کی رفاقت حاصل تھی اور تم کو رفاقت حاصل ہوگی۔ انبیاء و شہداء کی۔ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔

(وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات فرمائے حضرات انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ) (جلد 15 وعظ التحات فی الاوقات ص 482)